دیوانِ بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ

فیض

ترجمہ و شرح

از

حکیم مطیع الرحمٰن قریشی نقشبندی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور - کراچی ۞ پاکستان

دیوانِ بُو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و شرح

از

حکیم مطیع الرحمٰن قریشی نقشبندی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی۔ (پاکستان)

111612

نام کتاب	دیوان بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ وشرح	حکیم مطیع الرحمٰن قریشی نقشبندی
تاریخ اشاعت	اکتوبر 2004ء
تعداد	ایک ہزار
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ	1Z206
قیمت	-/90روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون:7221953 فیکس:۔042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون:7225085-7247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:021-2212011-2630411۔ فیکس:۔021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

انتساب

جناب محمد نواز صدیقی (ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر) و سابق چیف ایڈیٹر ماہ نامہ ''العقاب'' گورنمنٹ ہائی سکول شاہدرہ کے نام جن میں موجودہ مادیت پسند دور میں بھی قلندرانہ صفات پائی جاتی ہیں گویا وہ حضرت بوعلی شاہ قلندر کے اس شعر کی زندہ تصویر ہیں۔

پشتِ پا زن تختِ کیکاؤس را
سر بدہ از کف مدہ ناموس راہ

حکیم مطیع الرحمٰن قریشی نقشبندی

7 مارچ 2000ء
(بروز منگل)

پیش لفظ

آپ کا اصل نام شیخ شرف الدینؒ اور لقب بوعلی شاہ قلندرؒ تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب امام اعظم ابوحنیفہؒ سے جاملتا ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام سالار فخر الدین تھا جو ایک جید اور متبحر عالم تھے۔ آپ کی والدہ کا نام بی بی حافظہ جمال تھا وہ مولانا سید نعمت ہمدانی، کرمانی کی ہمشیرہ تھیں۔

آپکا سن ولادت 605 ہجری بمقام پانی پت ہے۔ ابتدائی زندگی میں علوم متداولہ حاصل کئے اور بیس برس تک دہلی میں قطب مینار کے پاس درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ پھر ریاضت اور مجاہدے کئے اور تصوف کے وسیع میدان میں قدم رکھا۔ جذب وسکر کی حالت میں تمام علوم وفنون کی کتب دریا میں ڈال کر جنگل کی راہ لی۔ بعض روایات کے مطابق آپ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے حلقۂ ارادت میں سے تھے۔

سلطان علاؤ الدین خلجی کو حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ سے بیحد عقیدت تھی۔ بزرگان دین کی صحبت کا یہی اثر تھا کہ اس میں حلم، نرمی اور خداترسی کے اوصاف بدرجہ اتم پائے جاتے تھے۔

حضرت شیخ بوعلی قلندرؒ کے نام سے مندرجہ ذیل تصانیف منسوب ہیں۔

1۔ مکتوب بنام اختیار الدین

2۔ حکم نامہ شرف الدین

3۔ مثنوی کنز الاسرار

4۔ رسالہ عشقیہ

5۔ دیوان بوعلی شاہ قلندر

آپ کی تصانیف، توحید، ترک دنیا، طلب آخرت اور محبت الٰہی کے متعلق عرفان کا گہرا سمندر پیش کرتی ہیں۔ آپ کے مزارات پانی پت، کرنال اور بڈھے کھیڑے میں ہیں۔ چنانچہ ان تینوں مقامات پر آئے دن ان کے معتقدین کا ہجوم رہتا ہے۔ میں نے خود پانی پت اور کرنال کے مزاروں کی زیارت کی ہوئی ہے۔ پانی پت کا روضہ مبارک سنگ لرزاں سے تعمیر شدہ ہے۔ اس پتھر

کی یہ خوبی ہے کہ روضہ مبارک پر ہاتھ لگایا جائے تو روضہ شریف لرزنے لگ جاتا ہے۔ میں نے بہ چشم خود روضہ مبارک پر یہ منظر دیکھا ہوا ہے کہ شام کے وقت چاروں طرف سے بالکل برہنہ حالت میں مجذوب آ جاتے تھے۔ سخت سردی کے موسم میں بھی وہ ساری رات اسی حالت میں روضہ سے باہر بیٹھے ہوتے تھے۔ جونہی صبح ہوتی وہ غائب ہو جاتے۔ ''تذکرۃ الکرام'' کے صفحہ 466 پر لکھا ہے کہ شیخ بوعلی قلندرؒ پانی پتی اپنے وقت کے بڑے کامل اور عارف تھے اور انکی بہت سی کرامتیں مشہور ہیں۔ انکی اصل عراق ہے اپنی ایک تصنیف میں انہوں نے خود لکھا ہے کہ مجھے شمس تبریزؒ اور مولانا رومؒ کی زیارت ہوئی ہے اور انکی صحبت میں رہا ہوں۔ کہتے ہیں کہ قلندر صاحب مجذوبانہ رنگ میں شہر پانی پت کے اردگرد گھومتے رہتے تھے اور آخر میں یہ حال ہوا کہ ہمیشہ مستغرق رہتے۔ اور کسی سے بات نہ کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ سلطان علاءالدین خلجی شاہ دہلی آپ کا مرید تھا۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے کسی شخص کو قلندر صاحب کے پاس بھیجنے کا ارادہ کیا لیکن کوئی شخص ان کے پاس جانے کی جرأت نہ کر سکا۔ آخر میں حضرت امیر خسروؒ دہلوی نے اپنے پیر شیخ نظام الدین اولیأؒ سے اس بارے میں اجازت چاہی۔ حضرت شیخ نے قدرے تامل کے بعد اجازت دیدی اور کہا کہ جو بات بوعلی شاہ قلندرؒ سے سنو اسے دل و جان سے قبول کرو۔ اس پر ہرگز اعتراض نہ کرنا الغرض جب حضرت امیر خسروؒ پانی پت میں پہنچے تو خادموں نے قلندر صاحب سے انکی ملاقات کرنے کی اجازت چاہی۔ قلندر صاحب نے فرمایا ''ہوں'' اجازت ملنے پر جب حضرت امیر خسروؒ سامنے پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ خسرو ہیرے۔ اس پر حضرت امیر خسروؒ نے اپنی ٹوپی کو زمین پر رکھا اور کہا کہ اس عاجز کو ایسا ہی کہتے ہیں۔ قلندر صاحبؒ نے فرمایا اپنا کلام سناؤ۔ چنانچہ امیر خسروؒ نے یہ غزل سنائی۔

اے کہ گوئی ہیچ مشکل چوں فراق یار نیست
گر امید وصل باشد ہمچناں دشوار نیست
چند گویندم برو زنار بند اے بت پرست
بر تن خسرو کدامی رگ کہ آں زنار نیست
آفت دین مسلمانی جز آں عیار نیست
تشنۂ خون مسلماناں جز آں خونخوار نیست

یک قدم برجان خود نہ یک قدم درکوئے دوست
زیں نکوتر رہروان عشق را رفتار نیست
برتن ''شیریں'' نظر ہم ہست بار از نازکی
بردل فرہاد کوہ بیستوں ہم بار نیست

قلندر صاحب نے ان اشعار کو سن کر فرمایا کہ خوب کہتے ہو اور اچھے رہو گے اور اچھے جاؤ گے۔ اب اس فقیر سے بھی غزل سنو۔

دیہیم خسروی برما نعل استراست
خسرو کسے کہ خلعت تجرید دربراست
سیمرغ وار روئے نہفتم بقاف عشق
کز ہردو کون دانۂ روحم نہ خوراست
وحدت ورائے کنگرۂ کبریا کشید
کو عارفے کہ منظر او عرش اکبر است؟
مائیم کوئے عشق و خرابات بیخودی
ویں رسم و سیر تے است کہ خاص قلندر است
بخشد خدائے علم لدنی بہ عاشقاں
کیں علم حسی و درسی محقراست
درس شرفؒ نبود الواح ابجدی
لوح جمال دوست مر او را ابراست

حضرت امیر خسروؒ قلندر صاحبؒ کی اس غزل کو سن کر بہت روئے۔ قلندرؒ نے ہندی زبان میں فرمایا کہ کچھ سمجھتے ہو؟ امیر خسروؒ نے فرمایا کہ اسی بات پر روتا ہوں کہ کچھ نہیں سمجھتا۔ قلندرؒ نے یہ جواب سن کر خوشی ظاہر کی اور بہت کچھ نعمت اور بزرگی بخشی۔ تین روز کے بعد امیر خسروؒ کو واپس جانے کی اجازت دی اور بادشاہ دہلی کو لکھا کہ علائے خلجی اچھی طرح جان لے کہ وہ یعنی سلطان، حضرت نظام الدینؒ کے ساتھ اچھی زندگی بسر کرے۔ جب یہ تحریر بادشاہ وقت کے پاس پہنچی تو بعض نادانوں نے کہا کہ یہ تحریر سلطان وقت کے شایان شان نہیں ہے۔ اس پر بادشاہ نے

کہا اے نادان! قلندر صاحبؒ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے کہ دہلی کی بادشاہی ہمارے لئے بحال رکھی ہے۔ چنانچہ حضرت نظام الدین اولیاؒ نے یہ رباعی حضرت بوعلی قلندر کے پاس بھیجی۔

گہہ راست کند صورت مردی و زنی
گہہ بکشد او جامۂ جاں راز تنی
کس نیست کہ استاد قضا را پرسد
کاے بار خدا چہ حکمتست و چیست فنی؟

اس پر حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ نے انہیں یہ جواب بھجوایا۔

شرط است کہ بہ امر خدا دم نزنی
ایں نوعے کہ گفتی نہ تو مردی نہ زنی
گل را چہ مجال است کہ پرسد ز کلال
کز بہر چہ سازی و چرا می شکنی؟

ایک بڑا عجیب واقعہ تذکروں میں محفوظ ہے کہ بابا فریدالدین شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت نظام الدینؒ اولیاء کو خلافت عطا فرمانے کے بعد ایک رقعہ لکھ کر انہیں حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کے پاس بھیجا کہ قلندرؒ کے پاس جا کر ان سے ولایت کی تصدیق کروالائیں۔ چنانچہ حضرت نظام الدین اولیاؒء حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کے پاس گئے جو اس وقت اپنی خانقاہ میں دروازہ بند کر کے ریاضت میں مشغول تھے۔ حضرت نظام الدینؒ اولیاء نے دروازہ کھٹکھٹایا اندر سے آواز آئی۔ کون ہے؟ عرض کیا نظام الدینؒ ہوں اور آپ کے پاس بابا فریدالدین شکر گنج کا رقعہ لایا ہوں۔ بوعلی قلندرؒ نے تھوڑا سا دروازہ کھولا اور رقعہ لینے کیلئے اپنا ہاتھ باہر نکالا۔ قلندر صاحب کے ہاتھ کے ساتھ ایک اور زنانہ ہاتھ بھی نکلا۔ قلندرؒ نے رقعہ لیا۔ ادھر حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاء کے دل میں معاً خیال آیا کہ یہ کیسا قلندر ہے کہ اندر کسی عورت کو بھی اپنے پاس بٹھا رکھا ہے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ تمام ولایت سلب ہو گئی اور نظام الدین اولیاؒ بالکل خالی رہ گئے۔ قلندر صاحبؒ نے رقعہ کی پشت پر لکھا کہ ابھی یہ ولایت کے قابل نہیں ہے۔ یہ عبارت لکھ کر رقعہ نظام الدین اولیاؒ کو واپس کر دیا اور یہ فرمایا کہ دوسرا ہاتھ میری بہن کا تھا۔ چنانچہ حضرت نظام الدین اولیاؒ روتے ہوئے واپس اپنے پیر حضرت بابا فرید شکر گنج کے پاس آئے اور حقیقت حال سے اطلاع دی۔ بابا صاحب نے

فرمایا کہ قلندر کی سلب کردہ ولایت میں واپس نہیں دے سکتا۔ پھر حضرت نظام الدینؒ اولیاء نے حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کو پانی پت میں قلندر صاحبؒ کے پاس اپنا سفارشی بنا کر بھیجا۔ پانی پت میں قلندر صاحب کا ایک افغان لڑکا دوست تھا۔ حضرت امیر خسروؒ اس کے پاس گئے اور انکی بڑی منت سماجت کر کے اسے سفارش کیلئے قلندر صاحبؒ کے پاس بھیجا اور ان سے عرض کیا کہ صرف زبان سے اتنا کہہ دیں ''نظام الدین اولیاؒ'' اس پر قلندر صاحبؒ نے کہا نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ اس پر لڑکا بضد ہوا اور بڑی مشکل سے قلندر صاحبؒ نے فرمایا کہ تمہاری رضامندی کی خاطر تمہاری سفارش پر نظام الدینؒ اولیاء کو سلب شدہ ولایت واپس دی جاتی ہے۔ اس سارے واقعہ کو حضرت امیر خسروؒ نے اپنی معرکتہ الآ را نظم پنج گنج خسروی کے ایک حصہ میں شعروں میں قلمبند فرمایا ہے۔ کچھ شعر آپ بھی سن لیجئے۔

داشت افغاں پسرےؒ را منظور
حسن در ناز محبت درشور
رفت و پرسید قلندرؒ چہ کسی؟
گفت خسروؒ منم از عشق رسی
وآں نظام الدینؒ پیرم باشد
خدمت پیر گزیرم باشد
گفت بخشم ہمہ کارت لیکن
اولیا ئیش نہ کنم تا ممکن
رفت خسروؒ بہ دلا رام و نشست
کرد افغاں پسرےؒ را در دست
زود طلبید قلندرؒ را وگفت
عاشقی؟ گفت بلے گفتا مفت
گفت بخشم بتو ہر آرزویت
عاشقم شیفتہ ہر مویت
گفت ہر کار تو آرم لیکن

اولیائیش کنم "ناممکن"
بعدازاں ترک ز جلوت کردہ
شاہ را یار بخلوت کردہ
ذات تو پیر ولایت یابد
فائزی راز ہدایت یابد

الغرض افغان لڑکے کی سفارش پر حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو سلب شدہ ولایت دوبارہ مل گئی۔

حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ نے سو سال سے زیادہ عمر پائی اور ایک روایت کے مطابق 9 رمضان المبارک کو انتقال فرمایا۔ دراصل قلندر صاحبؒ ہندوستان میں قلندری مشرب کے عظیم ترین نمائندے ہیں۔ وہ نہایت صاحب جلال و جبروت بزرگ تھے۔ استغناء کا یہ عالم تھا کہ دنیا و مافیہا کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ آپؒ کی صورت سے سطوت تمکنت، وقار اور دبدبہ برستا تھا۔ بڑے بڑے صاحب ہمت لوگوں کو بھی آپ کے سامنے آنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی حتیٰ کہ شاہان وقت کو بھی آپ سے نیاز و عقیدت رہی ہے۔

قلندر صاحبؒ کا دیوان، عشق و مستی کی کیفیات کی پر جلال اور بلند آہنگ تعبیر ہے۔ ان کے لب و لہجے اور زبان و بیان میں ایک قادرانہ، حاکمانہ زور اور ادعا پایا جاتا ہے۔ قلندر صاحبؒ نے عشق کی عظمت کو حسن کے مقابلے میں ابھارنے کی کوشش کی ہے اور یہ ان کے قلندرانہ مزاج کا اظہار ہے۔

قلندرؒ کے دیوان کے تمام اشعار میرے نزدیک "شاہ بیت" کا درجہ رکھتے ہیں۔ بہرحال پورا دیوان پڑھنے سے پہلے قلندرؒ کے چند اشعار پڑھئے اور سر دھنئے۔ اور اپنے دل و جان کو قربان کیجئے۔

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم
گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم
گر شبے دست دہد وصل تو از غایت شوق
تا قیامت نشود صبح دمیدن ندہم

گر بیاید ملک الموت کہ جانم بہ برد
تا نہ بینم رخ تو روح رمیدن ندہم
گرمرا برسرکوئے تو بود دسترسے
غیر را بر سرکوئے تو رسیدن ندہم
نذر دیدار تو گر ملک دو عالم بدہند
یعلم اللہ کہ سرِ موئے تو دیدن ندہم
شرف ار باد وزد بوئے ز زلفش بیرد
باد را نیز دریں دہر وزیدن ندہم

میں اب اس سے زیادہ دیوان بوعلی شاہ قلندرؒ کا بالاستعاب مطالعہ کرنے والوں کے درمیان حائل نہیں ہونا چاہتا۔ جب قارئین کرام اور اہل ذوق حضرات ''دیوان قلندر'' کو خود پڑھیں گے تو انہیں قلندر کی ہر غزل، ہر شعر، ہر مصرعہ اور ہر لفظ میں ہزاروں خوشۂ انگور نظر آئیں گے

گماں مبر کہ بہ پایاں رسید کارمغاں
ہزار خوشۂ انگور در رگ تاک است

حکیم مطیع الرحمٰن قریشی نقشبندی
ڈی۔135/الیف۔11
محلہ ابراہیم آباد۔میانوالی شہر
مورخہ 7۔مارچ 2000ء بروز منگل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رب یسر ولا تعسر وبک استعین وتمم بالخیر.

بحق روح بوعلی شاہ قلندر رحمة الله عليه

الف

غزل(1)

ہست در سینۂ ما. جلوۂ جانانۂ ما
بت پرستیم دل ما است صنم خانۂ ما

اے خضر چشمۂ حیواں کہ براں می نازی
بود یک قطرہ ز دردِ تہ پیمانۂ ما

جنت و نار پس ما است بصد مرحلہ دور
می شتابد بہ کجا ہمت مردانۂ ما

جنبد از جاؤ فتد بر سر افلاک بریں
بشنود عرش اگر نعرۂ مستانۂ ما

ہمچوں پروانہ بسوزیم و بسازیم بعشق
اگر آں شمع کند جلوہ بکاشانۂ ما

ما بنازیم بتو خانہ ترا بسپاریم
گر بیائی بشب وصل تو در خانۂ ما

گفت او خندہ زناں، گریہ چوں کردم بدرش
بوعلی ہست مگر عاشق دیوانۂ ما



ہمارے سینہ میں محبوب کا جلوہ جگمگ جگمگ کر رہا ہے۔ گویا ہم بت پرست ہیں اور ہمارا دل ایک بت خانہ ہے۔ اے خضر! جس چشمۂ حیات پر تمہیں بہت ناز ہے یہ تو ہماری شراب معرفت کے پیمانہ کی تلچھٹ کا ایک قطرہ ہے۔ بہشت اور دوزخ تو ہم سے سینکڑوں منزل پیچھے رہ گئے ہیں۔ نہ جانے ہماری ہمت مردانہ ہمیں کہاں تک لے جائیگی؟ اگر عرش ہمارے نعرۂ مستانہ کو سن لے تو وہ بھی رقص کرتا ہوا آسمانوں پر گر پڑے گا۔ اگر محبوب کے حسن و جمال کی شمع ہمارے کاشانہ میں جلوہ گر ہو جائے تو ہم پروانے کی طرح اس کے عشق میں جل جائیں گے اور اپنے جل جانے کو غنیمت سمجھیں گے۔ اے محبوب! اگر کبھی وصال کی رات میں ہمارے غریب خانہ میں تیرا آنا ہوا تو ہم تیری تشریف آوری پر ناز کریں گے اور اپنا سارا گھر تیرے سپرد کر دیں گے۔

انتباہ:۔ پہلے شعر میں قلب مومن کو بطور استعارہ صنم خانہ کہا گیا ہے اور انوار الٰہی کے عاشق کو بطور استعارہ بت پرست کہا گیا ہے۔ (فافہم)

جب میں نے اپنے محبوب کے دروازے پر گریہ وزاری کی تو وہ ہنس پڑا اور ہنستے ہوئے کہنے لگا کہ بوعلیؔ تو ہمارا دیوانہ عاشق معلوم ہوتا ہے۔

غزل(2)

نقاب از روئے خود چوں افگند آں شمع محفلہا
بسوزد چوں پر پروانہ ہم جانہا و ہم دلہا

چہ می پرسی تو اے مجنوں رہ و رسم طلب ازما؟
کہ ما طے کردہ ایم از عاشقی صدگونہ منزلہا

بجز عجزو نیاز آنجانمے پرسند چیزے را
بفیض خاکساریہا تواں حل کرد مشکلہا

بدل شمع حرم داری چرا سوئے حرم پوئی؟
چوں یار اندر بغل داری چہ سود از قطع منزلہا؟

شرف حسن ازل بینی بچشم جان و دل ہر دم
عیاں درجلوت جانہا نہاں درخلوت دلہا



(2)

جب وہ شمع، محفل محبوب اپنے چہرہ سے نقاب الٹتا ہے تو وہ جانوں اور دلوں کو اس طرح جلا دیتا ہے جس طرح پروانوں کے پر شمع پر جل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔

اے مجنوں! تم ہم سے طلب کے طور طریقے کیا پوچھتے ہو؟ ہم تو عاشقی کی سینکڑوں منزلوں کو طے کر چکے ہیں یعنی اب ہم تجھے کیا کیا بتائیں؟ اس بارگاہ میں بغیر عجز و نیاز کے اور کسی چیز کے متعلق نہیں پوچھا جاتا۔ وہاں صرف عاجزی اور خاکساری ہی کام آتی ہے اور اسی کے طفیل تمام مشکلات کو حل کیا جاتا ہے۔

تیرے دل میں حرم کی شمع روشن ہے لہٰذا تمہیں حرم شریف کی طرف جانے کی کیا ضرورت ہے؟ جب محبوب حقیقی تیرے سینے میں ہے تو پھر تجھے منزلیں طے کرنے کا کیا فائدہ؟

اے شرف! تم ہر لحہ جان اور دل کی آنکھوں سے اس حسن ازل کو دیکھتے ہو جو اور واح کی محفل میں تو ظاہر ہے مگر دلوں کے خلوت خانہ میں پوشیدہ ہے۔

غزل(3)

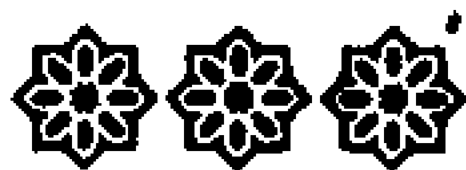
ساقی ما از شراب کہنہ پرکن جام را
خاک برسرکن چوں بینی زاہدان خام را

عاشق بے ننگ و نامم نعرۂ خوش می زنم
من نخوا ہم ننگ را و من بخویم نام را

شاید آں شہباز روزے از ہوا آید بزیر
دانہ افشاندم بخاک و می کشایم دام را

زاہدا برخیزو رو درحلقۂ اہل ریا
لایق صحبت نۂ رندان مے آشام را

می نگنجد بوعلیؒ ہرگز خدا اندر خودی
توہمی خواہی بری درکعبہ باز اصنام را



(2)

جب وہ شمع، محفل محبوب اپنے چہرہ سے نقاب الٹتا ہے تو وہ جانوں اور دلوں کو اس طرح جلا دیتا ہے جس طرح پروانوں کے پر شمع پر جل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔

اے مجنوں! تم ہم سے طلب کے طور طریقے کیا پوچھتے ہو؟ ہم تو عاشقی کی سینکڑوں منزلوں کو طے کر چکے ہیں یعنی اب ہم تجھے کیا کیا بتائیں؟ اس بارگاہ میں بغیر عجز و نیاز کے اور کسی چیز کے متعلق نہیں پوچھا جاتا۔ وہاں صرف عاجزی اور خاکساری ہی کام آتی ہے اور اسی کے طفیل تمام مشکلات کو حل کیا جاتا ہے۔

تیرے دل میں حرم کی شمع روشن ہے لہٰذا تمہیں حرم شریف کی طرف جانے کی کیا ضرورت ہے؟ جب محبوب حقیقی تیرے سینے میں ہے تو پھر تجھے منزلیں طے کرنے کا کیا فائدہ؟

اے شرف! تم ہر لحہ جان اور دل کی آنکھوں سے اس حسن ازل کو دیکھتے ہو جو ارواح کی محفل میں تو ظاہر ہے مگر دلوں کے خلوت خانہ میں پوشیدہ ہے۔

غزل(3)

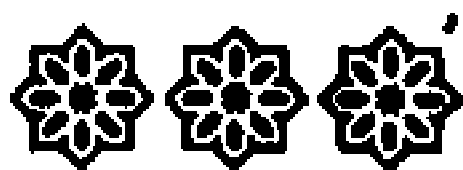
ساقی ما از شراب کہنہ پرکن جام را
خاک برسرکن چوں بینی زاہدان خام را

عاشق بے ننگ و نامم نعرۂ خوش می زنم
من نخوا ہم ننگ را ومن بخویم نام را

شاید آں شہباز روزے از ہوا آید بزیر
دانہ افشاندم بخاک و می کشایم دام را

زاہدا برخیزو رو درحلقۂ اہل ریا
لایق صحبت نہٕ رندان مے آشام را

می نگنجد بوعلیؒ ہرگز خدا اندر خودی
توہمی خواہی بری درکعبہ باز اصنام را



(3)

اے ہمارے ساقی! ہمارے لئے پرانی شراب کو جام میں ڈالو اور جہاں کہیں تمہیں خشک اور خام زاہد ملیں ان کے سر پر مٹی ڈالو۔

اس شعر میں شراب کہنہ سے یوم الست کے اسرار مراد ہیں۔

میں بے ننگ و نام عاشق ہوں اور خوشی کا نعرہ مار رہا ہوں میں اپنے ناموس کا طالب ہوں نہ اپنی شہرت کا۔ میں نے اس لئے مٹی میں دانہ ڈال کر اوپر جال بچھائی ہے تا کہ شاید وہ شہباز بلندیوں سے اتر کر نیچے آ جائے۔

اے زاہد! یہاں سے اٹھو اور ریاکاروں کے پاس تشریف لے جاؤ کیونکہ تم قطعاً ہم شراب معرفت پینے والے رندوں کی صحبت میں بیٹھنے کے لائق نہیں ہو۔

اے بوعلی! خدا تعالیٰ کو غرور ہرگز گوارا نہیں ہے۔ تم غرور و تکبر کر کے گویا کعبے کے اندر دوبارہ بتوں کو لے جانا چاہتے ہو۔ یعنی توحید کی وادی میں دوئی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

غزل(4)

اگر بینم شبے ناگہ من آں سلطان خوباں را
سر اندر پائے وے آرم فدا سازم دل و جاں را

فروزم آتشے در دل بسوزم قبلۂ عالم
پس آنگہ قبلۂ سازم من آں ابروئے جاناں را

بیا ساقی کہ روئے تو مرا شمع حرم باشد
بگردم گرد میخانہ ببوسم پائے مستاں را

دل و جاں کردہ ام نذر بتاں اکنوں ہمی خواہم
کہ گر یابم خریدارے فروشم دین و ایماں را

نترسم ز آتش دوزخ نہ پروائے جناں دارم
منم شوریدۂ جاناں نخواہم حوروغلماں را

چہ گفتی ایں سخن کفراست اگر گوئی شوی کافر
برو اے واعظ ناداں چہ دانی سرمستاں را

شرفؔ بربندلب از گفتن اشعار رندانہ
شکایتہا است از اشعار تو گبرو مسلماں را



(4)

اگر میں کبھی محبوبوں کے اس شہنشاہ کو اچانک رات میں دیکھ لوں تو میں اپنا سر اس کے پاؤں پر رکھ دونگا اور اپنے دل و جان کو اس پر قربان کر دونگا۔ میں اپنے دل میں آتش عشق جلاؤں گا اور اس میں زمانے کے قبلہ کو جلا ڈالوں گا اور پھر محبوب حقیقی کے ابرو کو اپنا قبلہ بناؤں گا۔ اے ساقی! آؤ کیونکہ تیرا چہرہ ہی میرے لئے حرم کی شمع ہے۔ میں دل کے شراب خانہ کے اردگرد گھومتا ہوں اور مستوں کے پاؤں کو چومتا ہوں۔

اس شعر میں شراب معرفت پینے والوں کیلئے مستوں کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

میں نے اپنے دل و جان کو محبوب حقیقی کی نذر کر دیا ہے اور اب میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر مجھے میرا خریدار یعنی محبوب حقیقی مل جائے تو میں اپنا دین و ایمان اس کے ہاتھوں بیچ دوں۔ میں دوزخ کی آگ سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی مجھے جنت کی پرواہ ہے۔ میں اپنے محبوب حقیقی کا متوالا ہوں اس لئے مجھے حور و غلماں کی ضرورت نہیں ہے۔

اے واعظ! تم نے یہ کیا کہا ہے کہ اے قلندر ایسی باتیں کہنا کفر ہے اور یہ کہ اگر ایسی باتیں کہو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ اے نادان واعظ! جاؤ اپنی راہ لو تم ہم مستوں کے راز کو کیا جانو؟

اے شرف! رندانہ اشعار کہنے سے لبوں کو نہ کھولو کیونکہ تیرے ان اشعار سے مسلمانوں اور آتش پرستوں دونوں کو شکایت ہے۔

111612

غزل(5)

بنازم چشم آں عزلت نشیں را
کہ دارد سرمۂ عین الیقیں را

زہے چابک سواران طریقت
بجنگ نہ فلک بستند زیں را

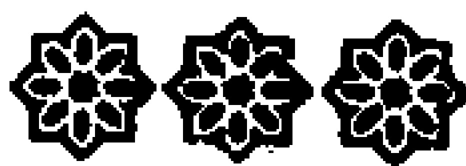
ازاں سرے کہ با محبوب دارم
خبر بنود کراما کاتبیں را

چوں من درکوچۂ جاناں نشستم
چہ خواہم کرد فردوس بریں را

اگر یک شعلہ خیزد از دل ما
بسوزد شہپر روح الامیں را

من یک نعرۂ مستانہ خویش
بجنبش آورم عرش بریں را

قلندر بوعلی آزاد گشتم
ندانم رسم و راہ کفر و دیں را



(5)

میں اس تنہا رہنے والے محبوب حقیقی کی آنکھوں پر قربان جاؤں جن میں عین الیقیں کا سرمہ پڑا ہوا ہے۔ راہ طریقت کے ان شہسواروں کا کیا کہنا جنہوں نے نو آسمانوں سے جنگ کرنے کے لئے اپنی زینوں کو کس لیا ہے۔

اس شعر میں نو آسمانوں سے سات آسمان آٹھواں عرش اور نواں کرسی مراد ہو سکتا ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ

در دشت جنون من جبریل زبوں صیدے
یزداں بہ کمند آور اے ہمت مردانہ

جو راز و نیاز میں اپنے محبوب حقیقی کے ساتھ رکھتا ہوں اس کی خبر کراماً کاتبین کو بھی نہیں ہے۔ بقول حافظ شیرازؒ

میان عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

جب میں اپنے محبوب حقیقی کے کوچہ میں بیٹھا ہوں تو پھر میں فردوس بریں کو کیا کروں گا۔ اگر ہمارے دل سے ایک شعلہ بھڑک اٹھے تو جبرائیل علیہ السلام کا پر بھی جل جائیگا۔ شیخ سعدیؒ نے بوستاں میں یوں فرمایا ہے۔

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

میں اپنے مستانہ نعرہ سے ہی عرش بریں کو ہلا کر رکھ دیتا ہوں۔ اے بوعلی قلندر! میں ہر پابندی سے آزاد ہوں۔ میں کفر اور دین کے طور طریقوں اور شعائر کو نہیں جانتا۔

غزل(6)

ہم شرح کمال تو نگنجد بہ گمانہا
ہم وصف جمال تو نیاید بہ بیانہا
یک واقف اسرار تو بنود کہ بگوید
از ہیبت راز تو فرو بستہ زبانہا
ما مرحلہ در مرحلہ رفتن نتوانیم
در وادیٔ توصیف تو بگسستہ عنانہا
حسن تو عجیب است و جمال تو غریب است
حیران تو دلہا و پریشاں تو جانہا
چیزے بنود جز تو کہ یک جلوہ نماید
گم نظر ما است مکینہا و مکانہا
یک ذرہ ندیدیم کہ بنود ز تو روشن
جستیم ز اسرار تو در دہر نشانہا
یک تیر نگاہت را ہمسر نتواں شد
صد تیر کہ برجستہ ز آغوش کمانہا
دارد شرفؔ از عشق تو اے فتنۂ دوراں!
در سینہ نہاں آتش و در حلق فغانہا



(6)

تیرے کمال کی شرح کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی اور نہ ہی تیرے حسن و جمال کی توصیف کو بیان کیا جا سکتا ہے۔ایسا کوئی شخص تیرے اسرار کا واقف نہیں ہے جو ان رازوں کو بتا سکے۔سچ تو یہ ہے کہ تیرے رازوں کی ہیبت سے زبانیں بند ہیں۔ہم مرحلہ در مرحلہ اور منزل بہ منزل سفر کر ہی نہیں سکتے۔تیری توصیف کی وادی میں لگامیں بھی ٹوٹ چکی ہیں۔تیرا حسن بھی عجیب ہے اور تیرا جمال بھی نادر اور انوکھا ہے جس کی وجہ سے تمام دل حیران اور تمام جانیں پریشان ہیں۔الغرض تیرے بغیر جلوہ دکھانے والی اور کوئی شے نہیں ہے۔ہماری نظروں میں تمام مکین اور تمام مکان معدوم اور گم ہیں۔بقول حضرت روشن چراغ دہلویؒ

اے زاہد ظاہر بیں! از قرب چہ می پرسی
او درمن و من دروے چوں بو بگلاب اندر

کائنات میں ایسا کوئی ذرہ نہیں ہے جسے تجھ سے روشنی نہ ملی ہو (یعنی ہر ذرہ کو تجھ سے ہی روشنی ملی ہے) ہمیں زمانے میں تیرے اسرار کی بہت سی نشانیاں ملی ہیں۔کمانوں سے نکلے ہوئے سینکڑوں تیر، تیری نگاہ کے ایک تیر کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔اے فتنۂ دوراں محبوب! تیرے عشق کی وجہ سے شرف کے سینہ میں آگ اور گلے میں فریادیں پوشیدہ ہیں۔

اس غزل کے بنیادی تخیل کو مرزا مظہر جان جاناںؒ نے اپنے اشعار میں یوں بیان فرمایا ہے۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
و ز ہرچہ گفتہ اند وشنیدیم و خواندہ ایم
منزل تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

غزل(7)

درپئے آزار ما ہرگز نباشد یار ما
یارما آں کو کہ بنود درپئے آزار ما

دردل ما گر بود مسجود و ما مسجد رویم
بہتراز بیکاریٔ ما نیست ہرگز کارما

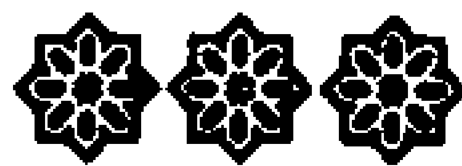
ما حریم کعبہ می دانیم کوئے یار را
واعظ ناداں ندانی شمہ از اسرار ما

آنکہ نامرد است بنود قیمتش درعاشقاں
جاں فروشی را رواجے ہست در بازار ما

تاز یادش رفتہ ایم ازخود فراموشیم ما
کاش در یاد آورد مارا فرامش کار ما

کرد باما یارما عہد وفا و اتحاد
بعدازیں ہرگز نخواہد طالع بیدار ما

ماکہ مجروحیم از تیغ نگاہ اوشرف
بوئے خوں می آید از گفتار واز کردار ما



(7)

ہمارا محبوب ہمیں آزار نہیں پہنچاتا۔ ہمارا وہ یار کہاں ہے جو ہمارے درپئے آزار نہیں ہے۔ حالانکہ ہمیں اس کے آزار پہنچانے میں بھی لذت محسوس ہوتی ہے۔ مرزا غالب نے اس تخیل کو اپنے انداز میں یوں بیان کیا ہے۔

واحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
ہم کو حریص لذت آزار دیکھ کر

اگر معبود (محبوب حقیقی) ہمارے دل کے اندر ہو اور ہم مسجد میں جائیں تو پھر ہماری کارگزاری بھی بیکاری کے مترادف ہوگی۔ ہم اپنے یار کے کوچہ کو حریم کعبہ ہی سمجھتے ہیں۔

اے نادان واعظ! تم ہمارے رازوں کو کچھ بھی نہیں جانتے۔ عاشقوں کے نزدیک بزدل اور نامرد کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ ہم عشاق کے بازار میں جان قربان کرنے کا عام رواج ہے۔ جب سے محبوب نے ہمیں بھلا دیا ہے اس غم میں ہمیں اپنے آپ کی بھی سدھ بدھ نہیں رہی۔ یعنی ہم حواس باختہ ہو گئے ہیں۔ اے کاش کہ ہمیں بھول جانے والے محبوب کو ہم یاد آ جاتے۔ ہمارے محبوب نے ہمارے ساتھ وفاداری اور اتحاد کا پیاں باندھا ہے اب اس کے بعد ہمیں اور کسی نیک بختی اور سعادتمندی کی ضرورت نہیں ہے۔ بقول شاعر

تجھ کو خدا سے مانگ کر سب کچھ لیا ہے مانگ
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ مرے اس دعا کے بعد

ہم چونکہ محبوب کی تلوار سے زخمی ہو چکے ہیں اس لئے ہمارے افعال و اقوال سے خون کی بو آتی ہے۔

غزل(8)

جلوۂ آں شوخ بے پروائے ما
می برد از جسمہا جانہائے ما
گوش گردوں کرشود در لحظۂ
بشنود گر "ہے ہے و ہائے ہائے" ما
اے خیال تو ز پنہا درگزشت
می نگنجد در دل دانائے ما
آید از ہر ذرۂ دشت وجود
جلوہ اش در دیدۂ بینائے ما
دوزخیم امروز از نار فراق
بیں چہ خواہد بود در فردائے ما
ما چوں مجنوں در بیاباں می رویم
ہست درمحمل نہاں لیلائے ما
ساقئے ما می کند در ساعتے
از شراب شوق پُر مینائے ما
می نگردد کس ز وحشت گرد ما
می گریزد خلق از سودائے ما
جائے ما آنجا کہ بنود ایں جہاں
درجہاں ہرگز نباشد جائے ما

ہرکہ او اَرِنِیْ بگوید بشنود
لَنْ تَرَانِیْ چہرۂ زیبائے ما
ازخیال چہرۂ پرنور او
می رود تاریکئ شبہائے ما
اے خوشا عشق مسیحائے کہ او
شد طبیب جملہ علتہائے ما
می زنیم ایں نعرۂ خوش می زنیم
شادباش اے عشق خوش سودائے ما
بر دلِ ما عشق نشتر می زند
می چکد خوں از ہمہ رگہائے ما
شیشہ را بگدازد وہم جام را
التہاب و گرمئ صہبائے ما
بوعلی مائیم مولائے علی
بوعلی باشد علی مولائے ما



(8)

ہمارے اس بے پرواہ اور شوخ محبوب کا جلوہ ہمارے جسم سے جان کو نکال کرلے جاتا ہے۔ اگر آسمانوں کے کان ہمارے نعرۂ مستانہ یعنی ہماری ''ہے ہے اور ہماری ہائے ہائے'' کو سن لیں تو وہ بہرے ہو جائیں گے۔ اے محبوب! تیری محبت کا خیال پوشیدہ اور در پردہ رہنے کی حد سے گزر گیا ہے اور اب یہ سیانے اور عقلمند دل میں پابند نہیں رہ سکتا۔ اسی لئے تیرا راز مجبوراً ہم سے طشت از بام ہو رہا ہے۔

وجود کے دشت سے یعنی موجودات کے ذرے ذرے سے محبوب حقیقی کا جلوہ ہماری چشم بینا کو نظر آ رہا ہے۔ آج ہم جدائی کی آگ میں جل کر گویا دوزخی بنے ہوئے ہیں نجانے کل ہمارا کیا حال ہوگا؟ ہم مجنوں کی طرح بیابان میں چلے جا رہے ہیں اور ہماری لیلیٰ محمل میں پوشیدہ ہے۔ یعنی اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی زیارت نہیں ہو سکتی۔ ہمارا ساقی ایک لحہ میں ہی عشق کی شراب سے ہمارے دل کی صراحی کو بھر دیتا ہے۔ کوئی شخص ہماری وحشت اور دیوانگی کی وجہ سے ہمارے پاس نہیں آتا اور تمام مخلوق خدا ہمارے سودائے عشق کی وجہ سے ہم سے بھاگ کھڑی ہوتی ہے۔ ہماری جگہ وہاں ہے جہاں اس جہان کی حد ختم ہو جاتی ہے لہٰذا اس جہان میں ہمارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ جو شخص ''ارنی'' کہتا ہے وہ ہمارے خوبصورت چہرہ سے ''لن ترانی'' کا جواب سنتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر ''ارنی'' کہا تھا یعنی اے اللہ مجھے اپنا دیدار کرا۔ جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''لن ترانی'' یعنی تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے جبکہ اس کے حسن و جمال کا یہ عالم ہے کہ اس کے پرنور چہرے کا صرف خیال کرنے سے ہی ہماری راتوں کی تاریکی دور ہو جاتی ہے۔ ہمارے مسیح عشق کے کیا کہنے جو ہماری تمام بیماریوں کا طبیب ہے۔ ہم ہر وقت خوشی سے یہی نعرہ لگاتے ہیں کہ اے ہمارے خوش باش عشق! اور اے ہمارے سودا! تم سدا خوش رہو۔ چونکہ ہمارے دل پر عشق ہی نشتر چلاتا ہے اس لئے ہماری تمام رگوں سے خون ہی خون ٹپک رہا ہے۔ ہماری خالص شراب معرفت کی حرارت اور اس کا جوش ہمارے شیشۂ قلب کو اور ہمارے جام دماغ کو بھی پگھلا رہا ہے۔ اے بوعلی! ہم علیؓ کے غلام ہیں اور اے بوعلی! یقیناً حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہمارا آقا ہے۔

(ب)

غزل(9)

ذرہ ذرہ شد منور چوں کشید از رخ نقاب
آں جمال بے حجاب آمد پدیدں چوں آفتاب

برد رو صدپردہ را گر بر رخ او افگند
حسن بے پروائے او ہرگز نماند درحجاب

نازم ایں شرم و حیا را کاں جمال دلفریب
عاشقاں را درشبے ہرگز نے آید بخواب

درجناں بینی رخ جاناں بدیں چشم حریص
ایں خیال خام اے زاہد! بود نقشے برآب

از خمار زہدو تقویٰ سرمرا باشد تہی
من کہ از خمخانۂ وحدت ہمی نوشم شراب

غرق بحرِعشق اویم گر کنم قصد نماز
گسترم سجادہ برآب رواں ہمچوں حباب

جز خلوص و عجز آنجا می نیرسد اے شرف
زاہد از زہد ریائی می نہ گردد کامیاب



(9)

جب اس نے اپنے چہرے سے نقاب کو الٹا تو کائنات کا ذرہ ذرہ روشن ہو گیا اور وہ بے پردہ حسن و جمال سورج کی طرح باہر آ گیا۔ اگر اس کے چہرے کی چادر اس کے چہرے پر سینکڑوں پردے بھی ڈال دے تو پھر بھی اس کا حسن لا ابالی یعنی بے پرواہ حسن پردہ میں نہیں رہے گا۔ مجھے اس کے شرمیلے پن پر ناز ہے کہ وہ دل کو موہ لینے والا حسن و جمال عاشقوں کو رات میں بھی کبھی خواب کے اندر نظر نہیں آتا۔ اے زاہد! تم اپنی حریص نگاہوں کے ساتھ بہشت میں محبوب حقیقی کے چہرہ کو دیکھنے کا داعیہ رکھتے ہو حالانکہ یہ تمہاری محض خام خیالی ہے اور تمہارا ایسا داعیہ رکھنا نقش برآب کی حیثیت رکھتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ میرا سر زہد و تقویٰ کے نشہ یعنی غرور سے قطعاً خالی ہے۔ مجھے اپنے زہد و تقویٰ کا کوئی مان نہیں ہے کیونکہ میں نے وحدت کے شراب خانہ سے شراب معرفت پی ہوئی ہے۔ میں محبوب حقیقی کے عشق کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہوں اس لئے جب میں نماز ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہوں تو میں اپنی جائے نماز کو جاری پانی کے اوپر بلبلے کی طرح بچھا لیتا ہوں۔ یعنی میں دنیاوی زندگی کو پانی پر بلبلے کی حیثیت دیتا ہوں جسکی کوئی حقیقت ہی نہیں ہوتی۔ اے شرف! محبوب حقیقی کی بارگاہ میں خلوص اور عاجزی کے بغیر اور کسی چیز کی قدر نہیں ہوتی اس لئے ریاکار زاہد اپنے ریاکارانہ زہد سے کبھی کامیابی حاصل نہیں کر سکے گا۔

غزل(10)

اے شرف خواہی اگر وصل حبیب
نالہ می زن روزوشب چوں عندلیب

من مریض عشقم و از جاں نفور
دست بر نبض من آرد چوں طبیب

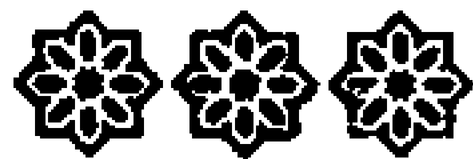
رسم و راہ ما نداند ہر کہ او
در دیار عاشقی ماند غریب

شربت دیدار دلداراں خوش است
گر نصیب ما نباشد یا نصیب

ما از و دوریم دور اے وائے ما
از رگ جان است او مارا قریب

برسرم جنبیدہ تیغ محتسب
دردلم پوشیدہ اسرار عجیب

بوعلی شاعر شدی ساحر شدی
ایں چہ انگیزی خیالات غریب



(10)

اے شرف! اگر تم اپنے محبوب حقیقی کا وصال چاہتے ہو تو بلبل کی طرح دن رات گریہ زاری کرتے رہو میں مریض عشق ہوں اور اپنی جان سے تنگ ہوں لہٰذا طبیب کو میری نبض دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت امیر خسروؒ دہلوی نے اس خیال کو یوں باندھا ہے

از سر بالین من برخیز اے ناداں طبیب
دردمند عشق را دارو بجز دیدار نیست

جو شخص دیار عشق میں اپنا مقام پیدا نہیں کرتا اور اسکی حیثیت دیار عشق میں مسافر کی طرح ہو تو پھر وہ ہم عشاق کے رسم و راہ کو نہیں جان سکتا۔ علامہ اقبالؒ نے اپنی ایک نظم ''جاوید کے نام'' میں اس تخیل کو یوں بیان فرمایا ہے۔

دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ، نئے صبح و شام پیدا کر
خدا اگر دل فطرت شناس دے تجھ کو
سکوت لالہ و گل سے کلام پیدا کر
اٹھا نہ شیشہ گران فرنگ کے احساں
سفال ہند سے مینا و جام پیدا کر
مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

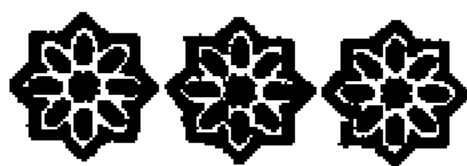
محبوبوں کے دیدار کا شربت بہر حال بہت ہی خوش ذائقہ اور مزیدار ہوتا ہے خواہ یہ شربت ہماری قسمت میں ہو یا نہ ہو۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم محبوب حقیقی سے دور ہیں جبکہ وہ ہماری رگ جاں کے بھی زیادہ قریب ہے۔ اس شعر میں قرآنی آیت ''نحن اقرب من حبل الورید'' کی طرف اشارہ ہے۔

میرے سر پر محتسب اور کوتوال کی تلوار لہرا رہی ہے جبکہ میرے دل کے اندر عجیب وغریب، سرار الٰہیہ پوشیدہ ہیں یعنی اگر میں نے ان رازوں کو ظاہر کیا تو میری گردن اڑا دی جائیگی۔ اے بوعلی! تو شاعر ہو گیا ہے اور ساحر ہو گیا ہے یعنی تیرا شعر، سحر حلال ہے تم یہ عجیب وغریب خیالات کیوں ظاہر کر رہے ہو؟

غزل(11)

وادی چرا بقامت زیباش روئے خوب
گردیدنش گناہ بود اے غافر الذنوب
گرعیب من ہمیں کہ شدم مبتلائے عشق
خواہم فزوں کنند عیوبا علی العیوب
اہل ملامتم نہ شکیم ز طاعناں
لو رقت القلوب وان شقت الجیوب
آں گوہرم ز بحر جمال قلندری
کس جوہری بنود مگر عالم الغیوب
برکش نقاب از رُخ آتش جمال خویش
اے از رخ تو اوقدت النار فی القلوب
طال الفراق واحترقت لی ترائب
من کربتہ التعشق یا کاشف الکروب
من از شمائل تو چناں غرق حیرتم
کز جانب شمال ندانم ہمے جنوب
تخمے کہ کاشت بوعلی اندر دلش زعشق
تو برشگاف ونخل کن اے فالق الجنوب



(11)

اے گناہوں کے بخشنے والے! اگر اس محبوب کا دیکھنا گناہ ہے تو پھر تو نے اسے اتنے خوبصورت قد کے ساتھ ساتھ اتنا خوبصورت چہرہ کیوں دیا؟ اگر میرا یہی عیب ہے کہ میں عشق میں کیوں مبتلا ہوا ہوں؟ تو پھر میں یہی چاہتا ہوں کہ مجھے اس طرح کے عیوب زیادہ سے زیادہ دیئے جائیں۔ میں اہل ملامت ہوں یعنی ملامت کئے جانے پر خوش ہوں اور طعنہ دینے والوں کو برداشت کرتا ہوں خواہ ان کے دلوں میں میری ہمدردی کی وجہ سے کتنی ہی رقت طاری ہوگئی ہو اور خواہ انہوں نے میری غمگساری میں اپنے گریبان کو بھی پھاڑ دیا ہو مرزا غالب نے اس تخیل میں اپنا تصرف کر کے اسے یوں پیش کیا ہے۔

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح؟
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

میں قلندری کے بحر جمال کا وہ درشاہوار ہوں کہ غیبوں کے جاننے والے اللہ تعالیٰ کے سوا میرا اور کوئی قدر داں اور جوہر شناس نہیں ہے بقول کسے

قدر زر زرگر بداند قدر جوہر جوہری
قدر گل بلبل بداند قدر دلدل شاہ علیؓ

اے محبوب! اپنے آتشیں حسن و جمال والے چہرہ سے نقاب کو الٹ دو تیرے چہرے کے حسن و جمال کو دیکھ کر عشاق کے دلوں میں عشق کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

اے تکلیفوں کو دور کرنے والے اللہ! تیری جدائی کا عرصہ لمبا ہو گیا ہے اور تیرے عشق کی تکلیف سے عشاق کے دلوں میں آگ بھڑک اٹھی ہے۔ میں آپ کے حسن و جمال اور آپ کے طلعت کو دیکھ کر اس قدر محو حیرت ہو چکا ہوں کہ اب میرے لئے شمال اور جنوب کی تمیز کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ یعنی میں بالکل بیخود ہو چکا ہوں۔

اے اللہ! بوعلی قلندر نے تیرے عشق کا جو بیج اپنے دل میں بویا ہے اے گٹھلیوں کو پھاڑنے والے تو میرے دل کی گٹھلی کو پھاڑ دے اور اسے تناور درخت بنادے۔

ت

غزل(12)

دیہیم خسروی برما نعل استراست
خسرو کسیکہ خلعت تجرید دربراست

سیمرغ دار روئے نہفتم بقاف عشق
کز ہر دو کون دانۂ روحم نہ درخور است

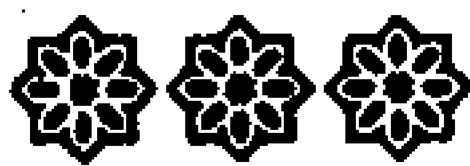
وحدت ورائے کنگرۂ کبریا کشید
کو عارفے کہ منظر او عرش اکبر است

گفتم بہ علم و عقل بہ ملک دگر شوم
ملکم زعلم وعقل چوں دیدم بروں تراست

مائیم کوئے عشق و خرابات بیخودی
ویں رسم و سیر تے است کہ خاص قلندر است

بخشد خدائے علم لدنی بہ عاشقاں
کیں علم حسی و درسی محقر است

درس شرف بنود ز الواح ابجدی
لوح جمال دوست مر او را برابر است



(12)

بادشاہی تاج ہمارے نزدیک خچر کے نعل کے برابر ہے۔ حقیقی بادشاہ تو وہ ہوتا ہے جس نے تجرید کا لباس ہی زیب تن کیا ہوتا ہے۔ میں نے سیمرغ کی طرح عشق کے کوہ قاف میں اپنے چہرے کو چھپا رکھا ہے کیونکہ میری روح کی غذا کیلئے دونوں جہانوں کا خزانہ بھی مناسب نہیں ہے۔ وحدت تو سالک کو ذات کبریا کے کنگرہ کے بھی اس پار لے جاتی ہے۔ ایسا عارف کہاں ہے جس کے نظارہ کا مقام عرش اکبر ہوتا ہے؟

پہلے میں نے یہ سوچا تھا کہ میں علم وعقل کے ذریعے عالم ملکوت میں پہنچ جاؤں گا لیکن جب میں نے غور سے دیکھا تو مجھے پتہ چلا کہ عالم ملکوت تو علم وعقل کی حدود سے بالاتر ہے۔ ہم ہیں اور عشق کا کوچہ ہے اور پھر بیخودی اور مستی کا میخانہ بھی ہے۔ یہ وہ طور طریقے ہیں جو قلندر کیلئے خاص ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ عاشقوں کو علم لدنی عطا فرماتا ہے کیونکہ یہ حسی اور درسی علم معمولی چیزیں ہیں۔ شرف کا سبق ابجد کی تختیوں کے ذریعہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے سامنے تو محبوب حقیقی کے حسن و جمال کی تجلی ہوتی ہے۔

غزل(13)

در دیدہ تا خیال جمالت مصور است
ملک دو عالم بعنایت مقرر است

روحانیاں بہ پیش تو درسجدہ می روند
عیسیٰ اگر سجود نیارد دم خر است

تانقش پیکرے تو بچشم شعاع زد
پیوستہ نور پاک فدایم برابر است

شوقت بسینہ شور انا اللہ می زند
ایں قول نزد مدعیاں گرچہ منکر است

نورت بصورتے کہ بچشم نمودہ اند
نور الٰہی است کہ موعود محشر است

چندیں ہزار نکتۂ توحید خواندہ ایم
زاں خط کہ در عبارت حسنت مسطر است

ذات خدا اگر نہ بصورت کند حلول
دیدم بروئے تو کہ زنورش مصور است

از لمعۂ کہ روئے تو افگند چشم من
تاحشر از جمال الٰہی منور است

درنجۂ کہ زلف تو سرداد مغزمن
تاحشر از شمایم قدسی معطر است

پُرغیرتم ز دیدہ کہ دید است روئے تو
یا بر سرے کہ دیدۂ من اندراں سر است
چنداں کہ آرزوئے تو در سینہ جائے کرد
ہر آرزو کہ داشتم اکنوں محقر است
آں کو خدائے را بہ تصور برد نماز
مومن بظاہر است بہ تحقیق کافر است
چندیں ہزار سر الٰہی عیاں بدید
روحم بداں خیال کہ پوشیدہ در سر است
آزاد از ظواہر حکم شریعت است
خوش طالع کسیکہ بعالم قلندر است
با بوعلی مگوئی ز اسرار معرفت
کو را ہزار نقطۂ توحید از بر است



(13)

جب سے تیرے حسن و جمال کا خیال میری آنکھوں میں موجود ہے مجھے اللہ کے فضل و کرم سے دونوں جہان کی مملکت مل گئی ہے۔ جیسا کہ کسی دوسرے شاعر نے محبوب کے تصور کو اس رنگ میں پیش کیا ہے۔

تصور کس طرح بھولے ترا ان چشم گریاں کو؟
نکالے مینہ برستے میں کیا کوئی گھر سے مہماں کو؟

اے محبوب! تمام فرشتے جب تیرے آگے سجدہ ریز ہو گئے تو اب اگر بالفرض عیسیٰ علیہ السلام بھی العیاذ باللہ سجدہ سے انکار کرے گا تو وہ بھی گدھے کی دم کے برابر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو سجدہ سے انکار کرنے پر بڑے سے بڑا اعزاز بھی چھن جاتا ہے جیسا کہ ابلیس ملعون کے ساتھ ہوا۔

جب سے تیری ذات کا نقش میری آنکھوں میں جلوہ ریز ہوا ہے گویا تیرا نور پاک میرے ''سربہا'' کے برابر ہو گیا ہے یعنی میں نے اپنے آپ کو تیرے نور پاک پر قربان کر دیا ہے۔ تیرا ہی عشق میرے سینہ میں ''انا اللہ'' کا شور کر رہا ہے یعنی نعرے مار رہا ہے۔ اگرچہ ظاہر پرست زاہدوں کیلئے یہ بات قابل قبول نہیں ہے۔ قضاء و قدر نے تیرا نور جس صورت میں مجھے دکھایا ہے گویا یہ بالکل وہی نور ہے جسے بروز محشر دکھانے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم نے اس تحریر کی وساطت سے جو تیرے حسن کی عبارت میں لکھی ہوئی ہے توحید کے ہزاروں نکتے پڑھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اگرچہ کسی صورت میں حلول نہیں کرتی تاہم مجھے تیرے چہرے کی قسم ہے کہ جو کچھ میں نے دیکھا ہے یہ تیرے ہی نور کی تصویر ہے۔

تیرے چہرے نے اپنے حسن کی جو کرن میری آنکھوں میں ڈالی ہے اسکی بدولت قیامت تک میری آنکھیں اللہ کے حسن و جمال سے روشن رہیں گی۔

تیری زلفوں نے اپنی جو خوشبو مجھے سونگھائی ہے اسکی پاکیزہ لپٹوں سے میرا دماغ قیامت تک معطر رہے گا۔ مجھے اپنی ان آنکھوں پر غیرت آتی ہے جنہوں نے تیرے چہرے کو دیکھا ہے اسی طرح مجھے اپنے سر پر بھی غیرت آتی ہے جس میں میری آنکھیں پیوست ہیں۔ اس ضمن میں حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کا یہ شعر بھی ملاحظہ فرمائیے۔

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم
گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

اے محبوب! تیری آرزو میرے سینہ میں اس طرح استوار اور مستحکم ہو چکی ہے کہ میری سابقہ تمام آرزوئیں میری نظروں میں اب حقیر اور لایعنی ہو چکی ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کو اپنے تصور میں رکھ کر نماز ادا کرتا ہے بظاہر وہ مومن ہے لیکن تحقیقی اعتبار سے وہ کافر ہے۔ ''لیس کمثلہٖ شیء'' اس پر دلیل ناطق ہے۔ میری روح نے ہزاروں اسرار الٰہی کو عیاں طور پر دیکھا ہے۔ اس کے باوجود میری روح اس خیال میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ابھی تک کسی راز میں پوشیدہ ہے۔ قلندر شریعت کے ظاہری آداب سے آزاد ہوتا ہے لہٰذا وہ شخص بڑا خوش قسمت ہے جو کارگاہ جہاں میں قلندر ہوتا ہے۔

بوعلی کے سامنے معرفت کی پراسرار باتیں مت بیان کرو اسے تو پہلے ہی توحید کے ہزاروں نکتے زبانی یاد ہیں۔

غزل(14)

جمال پیکرش سر الٰہی است
کہ برتر از سفیدی و سیاہی است
بہ عشقش دین و دل باز و میندیش
کہ اندر عشق او امرو نواہی است
زہے شاہد کہ من شیدائے اویم
نہ رویش پر تو از مہ تا بماہی است
خدا در بت پرستی می تواں دید
کہ اندر بت ہمہ سر الٰہی است
بیا تگیزد ہمیں عشق الٰہی
مگو آواز مطربیہ از ملاہی است
ہمیں غافل کند از غیر معشوق
مگر نوشیدن مئے از مناہی است
سوال از وی غنی کرد است مارا
گدائی درش چوں پادشاہی است
ز طوفان ہوا و حرص دنیا
جہاز عمرما اندر تباہی است
ز جرم کشف اسرار تو درنظم
قلندر در مقام عذر خواہی است



(14)

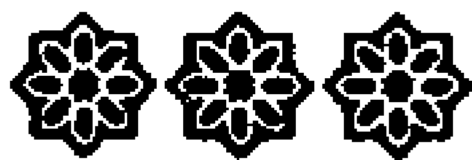
اس کے وجود کا حسن و جمال سرالٰہی ہے اور یہ حسن و جمال سفیدی اور سیاہی سے بالاتر ہے۔اس کے عشق میں اپنے دین و دل کی متاع کو لٹادے اور اس کا کوئی غم بھی نہ کرو۔ کیونکہ عشق میں کچھ امر ہوتے ہیں اور کچھ نواہی ہوتے ہیں۔جن باتوں کے کرنے کا حکم ہوتا ہے اسے امر کہا جاتا ہے اور جن باتوں کے کرنے سے منع کیا جائے انہیں نواہی کہا جاتا ہے یعنی دین و دل کو لٹادو یہ امر ہے اور اس لٹنے کا غم نہ کرو یہ نواہی میں سے ہے۔کیا خوب ہے وہ محبوب جس کا میں شیدائی ہوں۔چاند سے لے کر تحت الثریٰ تک ہر جگہ اسی کے چہرے کا نور جلوہ ریز ہے۔اللہ تعالیٰ کو بت پرستی میں دیکھا جاسکتا ہے کیونکہ بت کے اندر بھی اللہ کا راز موجود ہے۔دل اللہ کا گھر ہے اسے مجازاً بت خانہ کہتے ہیں۔گویے کی آواز بھی عشق الٰہی کو برانگیختہ کرتی ہے لہٰذا اسکی سریلی آواز کو یوں ہی بیکار چیز نہ کہو۔گویے کی یہی سریلی آواز سننے والے کو معشوق کے علاوہ ہر چیز سے بے نیاز کردیتی ہے البتہ حسن کے نشے کو خواہش نفسانی کے تحت استعمال کرنا منع ہے۔اللہ کی بارگاہ میں سوال کرنے کی وجہ سے ہم غنی ہوگئے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے دروازے کی گداگری ہی گویا حقیقت میں بادشاہی ہے۔ ہماری عمر کا جہاز دنیاوی حرص اور لالچ کے طوفان کی وجہ سے تباہی کے بھنور میں پھنسا ہوا ہے۔اشعار میں اسرار الٰہی کو ظاہر کرنے کے جرم میں قلندر بھی عذر خواہی کے مقام میں آ گیا ہے۔

بقول علامہ اقبالؒ

تھا ضبط بہت مشکل اس سیل معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخر

غزل(15)

تجلیہائے وحدت بے شمار است
نظر واجب بصنع کردگار است
بہ بیں زاہد جمال لم یزل را
کہ گرد او خط و خال و عذار است
تجلے در مقامات محبت
نگار اندر نگار اندر نگار است
شدم غرقاب حیرت کا ندریں بحر
ز گوہرہا کدامیں آبدار است
میان عاشقاں سردار گشتی
زحق گوئی بسرتو گر بہ دار است
''جمال کُل'' کہ درکُل آں جمال است
بروح قدسی من آشکار است
سرم دارد خیال جلوۂ ھو
دلم روحانیاں را راز دار است
ہمیں ابست اے شرف بسم اللہ عشق
کہ دل چوں مرغ بسمل بے قرار است
شرف کم گوئی اسرار الٰہی
دریں دوراں کہ چوں اغیار، یار است



(15)

وحدت کی تجلیات تو بیشمار ہیں۔ اے عاشق! اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں ذرا غور سے دیکھو تو تمہیں پتہ چلے۔ اے زاہد! لم یزل محبوب کے حسن و جمال کو ذرا دیکھو تو سہی کہ اس کے اردگرد بیشمار خدوخال اور نقش و نگار موجود ہیں۔ محبت کے مقامات میں جلوے ہی جلوے ہوتے ہیں اور ہر نقش و نگار کے اندر مزید نقش و نگار پائے جاتے ہیں۔

میں اس دریائے وحدت کے اندر حیرت کے پانیوں میں اس جستجو میں ڈوب گیا ہوں کہ ان موتیوں کے اندر وہ درشاہوار اور درآبدار کونسا ہے (جو وحدہ لاشریک ہے)

اے منصور! اگر حق گوئی کی وجہ سے تیرے سر کو تختۂ دار پر لٹکایا گیا تو کوئی پرواہ نہیں آخر اس طرح تم عاشقوں کے سردار تو ہو گئے ہو۔

وہ مکمل حسن و جمال جو تمام کائنات میں موجود ہے میری روح قدسیہ میں ظاہر ہو چکا ہے۔ میرے سر میں ہر وقت اسی کے ذات کے جلوے کا خیال رہتا ہے۔ میرا دل تمام عالم ملکوت کا رازدار ہے۔ اے شرف! یہی تو عشق کی بسم اللہ ہے یعنی ابھی تو ابتدائے عشق ہے کہ تیرا دل ذبح شدہ پرندے کی طرح تڑپ رہا ہے۔ بقول شاعر

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا؟
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

حافظ شیرازی نے اس تخیل کو اپنے دیوان کی ابتدا میں یوں بیان فرمایا ہے

الا یا ایها الساقی ادر کاساً وناولها
کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

اے شرف! اسرار الٰہیہ کو کم بیان کیا کرو کیونکہ اس زمانے میں یار بھی اغیار بن جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ غیروں کو راز کی باتیں نہیں بتانی چاہئیں۔

غزل(16)

من کہ باشم از بہار جلوۂ دلدار مست
چوں مئے ناید نظر در خانۂ خمار مست
ے نیاید درد لش انگار دنیا ہیچ گاہ
زاہدا ہرکس کہ شد از ساغر سرشار مست
جلوۂ مستانہ کر دی تو در ایام بہار
شد نسیم و بلبل و نہروگل و گلزار مست
من کہ از جام الستم مست ہر شام و سحر
در نظر آید مرا ہر دم در و دیوار مست
چوں نہ اندر عشق او جاوید مستیھا کنم
شاہد مارا بود گفتار وہم رفتار مست
تا اگر راز شما گوید نہ کس پرواہ کند
زیں سبب باشد شمارا محرم اسرار مست
غافل از دنیا و دین و جنت و نار است او
درجہاں ہرکس کہ می باشد قلندر وار مست



(16)

چونکہ میں محبوب حقیقی کے جلوہ کی بہار دیکھ کر مست ہو گیا ہوں اس لئے میری طرح مے فروش کے گھر کے اندر کوئی اور مست نظر نہیں آتا۔ یعنی سب سے زیادہ متوالا اور مست میں ہی ہوں۔ اے زاہد! جو شخص چھلکتے ہوئے ساغر کو پی کر مست ہو گیا ہو اس کے دل میں دنیا کی ذرہ بھر حقیقت نہیں ہوتی۔ اے محبوب حقیقی! تو نے چونکہ ایام بہار میں ہمیں اپنے جلوۂ مستانہ سے نوازا ہے اس لئے تیرے اس جلوہ کی بدولت، بادنسیم، بلبل، نہر پھول اور باغ سب مست مست ہو گئے ہیں۔ چونکہ میں جام الست کی بدولت ہر شام اور ہر صبح کو مست رہتا ہوں اس لئے مجھے ہر وقت درودیوار بھی مست نظر آتے ہیں۔ میں اپنے محبوب حقیقی کے عشق میں ہمیشہ مستی کا مظاہرہ کیوں نہ کروں؟ جبکہ ہمارے محبوب کی گفتار اور رفتار دونوں مست ہوتی ہیں۔ اے محبوب حقیقی! تیرا محرم اسرار اس لئے ہر وقت مست رہتا ہے تا کہ اگر کبھی راز کی بات کہہ بھی دے تو لوگ اسے دیوانہ سمجھ کر اسکی بات کو در خور اعتناء نہ سمجھیں۔

جہان میں جو شخص قلندر کی طرح مست ہو جاتا ہے وہ دنیا، دین، دوزخ اور جنت سے بے نیاز ہو جاتا ہے یعنی اسے اپنے محبوب حقیقی کے علاوہ اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔

غزل(17)

دلم از جلوہ اش در اضطراب است
مرا اندر بغل صد آفتاب است

چوں پیراں بر سر سجادہ منشیں
بکش ساغر کنوں عہد شباب است

ہزاراں فتنہ اندر دہر برپا است
ہنوزش چشم مَی گوں نیم خواب است

بہ بیں آں شوخ مَی کش را کہ ہردم
دلم از آتش عشقش کباب است

دل از دنیا و دیں نومید گرداں
کہ ایں دنیا و دیں نقشے برآب است

تو برحسن حقیقی جاں فدا کن
کہ حسن دلبراں موج سراب است

معلم درس توحیدت نگوید
کہ ایں اسرار بیروں از کتاب است

اگر باشد حجابے پاک سوزد
جمال شاہد ما بے حجاب است

درآئینہ بہ بیں چشم خودت را
کہ ایں مستی نہ از جام شراب است

برو از درمیاں تا او درآید
خدائی را خودی مثل نقاب است

شرف ہرگز مکن اسرار حق فاش
کہ نزد ما خطائے ناصواب است



(17)

محبوب حقیقی کے جلوہ سے میرا دل بے چین اور مضطرب ہو چکا ہے۔ میرے سینے میں سینکڑوں آفتاب روشن ہو چکے ہیں۔ ریاکار پیروں کی طرح سجادہ پر مت بیٹھے رہو بلکہ اس عہد شباب میں شراب معرفت کا ایک جام پیو یعنی جوانی ہی میں ریاضت اور عبادت الٰہی کرنے کا لطف آتا ہے۔

زمانے بھر میں محبوب حقیقی کی مست آنکھوں کی وجہ سے ہزاروں فتنے برپا ہیں حالانکہ ابھی تو اسکی شراب جیسی آنکھیں اس طرح ادھ کھلی ہیں جیسا کہ نیم خوابی کی حالت میں ہوتی ہیں۔

ذرا اس شوخ میکش محبوب حقیقی کی طرف دیکھو تو سہی' میرا دل اسی کے عشق کی آگ میں جل کر کباب ہو چکا ہے۔ دنیا اور ریاکارانہ دین سے کوئی امید نہ رکھو بلکہ ان ہر دو سے دل کو اٹھا لو کیونکہ ان دونوں کی حقیقت ''پانی پر نقش'' کی طرح فانی ہوتی ہے۔ تم حسن حقیقی پر اپنی جان کو قربان کرو کیونکہ دنیاوی معشوقوں کا حسن موج سراب کی مانند بے حقیقت ہوتا ہے۔ معلم تمہیں توحید کا سبق نہیں دے سکتا کیونکہ اسرار الٰہیہ درسی کتابوں سے باہر ہوتے ہیں۔

ہمارے محبوب کا حسن و جمال بے حجاب ہے یعنی اس پر کوئی پردہ نہیں۔ اگر اس پر کوئی پردہ ہوتا تو وہ جل کر بھسم ہو جاتا۔ تم اپنی آنکھوں کو ذرا آئینہ میں دیکھو تمہیں پتہ چل جائیگا کہ تمہاری آنکھوں کی یہ مستی شراب کے جام کی مستی نہیں ہے بلکہ یہ کوئی اور ہی مستی ہے۔ تم درمیان سے اپنے آپ کو ہٹا دو یعنی اپنی خودی کو ختم کر دو تا کہ محبوب ہی محبوب رہ جائے۔ کیونکہ تمہاری خودی اور دوئی کا ہونا خدائی کیلئے نقاب کی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا تم اپنی انانیت کو ختم کرو یعنی جب نقش دوئی ختم ہو گا تو پھر نور وحدت آئے گا۔

اے شرف اللہ کے رازوں کو فاش مت کرو کیونکہ ان رازوں کو فاش کرنا بہت بڑی خطا ہے۔

غزل(18)

چوں بہ یاد آمدہ ایں قامت زیبا کہ ترا است
شیخ درمسجد جامع بہ اقامت برخاست

کیست مشاطۂ آں شوخ و منم بندۂ آں
کیں چنیں روئے بیار است و چنیں موپیر است

نیست آں موئے مگر سلسلۂ ارواح است
نیست آں روئے مگر کار گہہ صنع خدا است

پسران اند دریں شہر کہ خوب اند و خوش اند
پسرے گر بکف آید دل و دیں ہر دو بہا است

مہہ کہ با عارض او گشت معارض بکمال
آخرش رو بکمی کرد و بتدریج بکاست

گر بشمشیر محبت بکشی زندہ شویم
ورجفا رائے کنی نزد من آں عین وفا است

جلوہ ریز از رخ پاک تو چہ شمس و چہ قمر
عطربیزاز سر زلفت چہ شمال وچہ صبا است

سرو باقامت او لاف زدن نتواند
کہ دراں شوخی رفتار حسینانہ کجا است

اے شرف نکتۂ توحید ز رویش می خواں
نور آں روئے بر اثبات خداوند گوا است

بوعلی گرز ملامت بہوایت رنجد
نہ ز اخوان صفا و نہ ز مردان خدا است



(18)

جب تیرا خوبصورت قد یاد آیا تو شیخ صاحب جامع مسجد میں تکبیر نماز کہنے کیلئے کھڑے ہو گئے یعنی نماز کی تکبیر کہنا گویا محبوب حقیقی کے خوبصورت قد کی گواہی دینے سے عبارت ہے۔ اس محبوب حقیقی کی مشاطہ (کنگھی پٹی کرنے والی) کون ہے کہ جس کا میں غلام ہوں جس نے اس کے چہرہ کو اس قدر آراستہ کیا اور اس کے بالوں کو سنوارا؟ یہ بال کیا چیز ہیں؟ یہ روحوں کا ایک سلسلہ ہے اور یہ چہرہ کیا ہے۔ یہ خدا کی تخلیقات کا کارخانہ ہے۔ یعنی ارواح کا لامتناہی سلسلہ اس کے بالوں سے عبارت ہے اور اسکی تخلیقات کا کارخانہ اس کے چہرے سے عبارت ہے۔ (فافہم)

اس شہر کے لڑکے بہت خوبصورت اور خوش اطوار ہیں اور اگر ایک لڑکا ہمارا دوست بن جائے تو ہم دل اور دین اسکی قیمت میں دے دیں گے۔ اس شعر میں ''پسران ایں شہر'' سے مظاہر قدرت مراد ہیں۔ اس تخیل کو حافظ شیرازیؒ نے یوں بیان کیا ہے۔

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
بخال ہندوش بخشم سمرقندو بخارا را

چودھویں رات کا چاند حسن میں ہمارے محبوب کے رخسار کا مقابلہ کرنے کیلئے سامنے آیا اور پھر آہستہ آہستہ گھٹتا ہی گھٹتا چلا گیا جبکہ ہمارے محبوب کا رخسار بدستور سابق جگمگ جگمگ کر رہا ہے۔ اگر تم محبت کی تلوار سے مجھے قتل بھی کر دو تو میں از سر نو زندہ ہو جاؤں گا اور اگر تم مجھ پر ظلم بھی کرو تو تمہارا ظلم بھی میرے نزدیک عین وفا ہے۔ تیرے رخ انور سے چاند اور سورج عکس ریز ہیں اور تیری زلفوں سے پروا کی ہوائیں اور صبح کی ہوائیں خوشبوئیں بکھیر رہی ہیں۔ سرو بھی اس کے قد کے مقابلہ میں اپنے لمبے قد کی ڈینگیں نہیں مار سکتا کیونکہ اس میں حسینوں کی چال والی شوخی کہاں ہے؟ بقول شاعر

عشوہ ہمیں کرشمۂ و ناز و خرام نیست
بسیار شیوہ ہا است بتاں را کہ نام نیست

اے شرف! اس کے چہرے کے ورق سے توحید کا نکتہ پڑھتے رہو۔ کیونکہ اس کے چہرے کا نور اللہ تعالیٰ کے اثبات اور وجود پر گواہ ہے۔ اگر بوعلی تیرے عشق میں لوگوں کی ملامت سے تکلیف محسوس کرے تو پھر وہ نہ تو اہل صفا میں سے ہے اور نہ ہی وہ مردان خدا میں سے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے وفادار بندے ملامت سے بددل نہیں ہوتے بلکہ وہ بمصداق ''لا یخافون لومتہ لائم'' ہمت نہیں ہارتے۔

غزل(19)

مائیم و چشم وقف رہ انتظار دوست
بنشستہ ایم ما بسر رہگذار دوست

گر دوست جلوہ گر شود امشب بخانہ ام
ہوش و حواس و صبر کنم من نثار دوست

اے خضر! دستگیر من بے قرار شو
آوارہ می روم کہ ندانم دیار دوست

ہرجا کہ می بردمن بے چارہ می روم
باشد عنان من بکف اختیار دوست

مائیم و رنج ہجر کہ شام و سحر کشیم
خوش طالعے کسے کہ شود ہمکنار دوست

مرغ دلم بدانۂ دنیا نمے پرد
زیرا کہ گشت طائر روحم شکار دوست

ایں دفتر ار بباد دہی پر مناسب است
کیں علم و عقل و دین تو ناید بکار دوست

تا دوست درکنار من آید بدیں امید
دل از کنارمن رود اندر کنار دوست

گرچشم دل کشادہ شود اے شرفؔ ترا
ہر ذرۂ جہاں شدہ آئینہ دار دوست



(19)

ہم اور ہماری آنکھیں اپنے محبوب کی انتظار میں وقف راہ ہیں۔ چنانچہ ہم اپنے محبوب کی گزرگاہ پر سرراہ بیٹھے ہوئے ہیں کہ جب وہ یہاں سے گزرے گا تو ہم اس کا دیدار کریں گے۔

اگر آج رات کو میرا دوست میرے گھر میں جلوہ گر ہو جائے تو میں اپنے ہوش وحواس اور صبر وشکیب اس پر قربان کر دونگا۔

اے خضر! مجھ بیقرار کی دستگیری کرو چونکہ ابھی مجھے دوست کے گھر کا پتہ نہیں ہے اس لئے میں بے سوچے سمجھے جارہا ہوں۔

میرا محبوب جہاں مجھے لے جانا چاہتا ہے میں بیچارہ ادھر ہی جارہا ہوں کیونکہ میری باگ ڈور میرے محبوب کے قبضۂ اختیار میں ہے۔ بقول کسے

رشتۂ در گردنم انداخت دوست
می برد ہرجا کہ خاطر خواہ اوست

ہم ہیں اور جدائی کا صدمہ ہے جسے ہم صبح وشام برداشت کر رہے ہیں۔ وہی شخص خوش قسمت ہوتا ہے جو دوست کے پاس رہتا ہے چونکہ میرے روح کا پرندہ محبوب کا شکار ہو چکا ہے اس لئے میرے دل کا پرندہ دنیاوی دانہ کھا کر پرواز نہیں کرسکتا۔ اگر اسے روحانی غذا ملتی تو پھر یہ پرواز کرتا۔ یہ دنیاوی علم وعقل اور ظاہری اور ریاکارانہ دین کبھی دوست کے کام نہیں آتے لہٰذا اگر ان دفتروں کو ہوا میں اڑا دیا جائے تو زیادہ مناسب رہے گا۔ میرا دل اس لئے میرے سینے سے نکل کر میرے دوست کے پاس چلا گیا ہے تا کہ میرا دوست میرے ہمکنار رہے۔ اے شرفؔ اگر تیرے دل کی آنکھ روشن ہو جائے تو پھر کائنات کا ہر ذرہ تیرے لئے تیرے دوست کا آئینہ دار ہو جائیگا۔ یعنی کائنات کے ہر ذرے میں تجھے اپنے محبوب کا عکس نظر آئے گا۔

غزل(20)

گر عشق حقیقی ست و گر عشق مجاز است
مقصود ازیں ہر دو مرا سوز و گداز است
گفتی تو "الست" و زدم آواز "بلٰی" من
بنگر کہ مرا باتو ز میثاقِ نیاز است
راز تو بلب نآورد و دل شورش خوں
ہر کس کہ دریں دہر ترا محرم راز است
عشق است و صد آفات و محن لازم و ملزوم
ایں منزلِ دشوار و رہ سخت دراز است
ایں جائے ہمان است کہ درکعبہ تواں دید
بنگر بسوئے بتکدہ گرچشم تو باز است
اندر دل او گاؤ و خرو ذکر بہ بہا
قاضی بہ تصور کہ ہمیں حق نماز است
خواہی کہ رومی بر در آں دوست قلندر
آں ہدیہ کہ مقبول شود، عجز و نیاز است



(20)

خواہ عشق حقیقی ہو یا مجازی مجھے ان ہر دو سے سوز و گداز ہی مطلوب اور مقصود ہوتا ہے۔

اے اللہ! تو نے "الست بربکم" کہا تھا اور میں نے بھی زور سے "بلیٰ" کہہ کر جواب دیا تھا، لہٰذا ثابت ہوا کہ روز ازل سے ہی میں نے آپ کی نیازمندی اور عبودیت کا عہد کیا ہوا ہے۔

جو شخص بھی اس زمانے میں تیرا محرم راز ہے باوجودیکہ وہ ذرہ بھر بھی تیرے راز کے متعلق لب کشائی نہیں کرتا پھر بھی اس کا دل خون خون ہوتا ہے۔ عشق اور سینکڑوں مصائب و آلام دونوں ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم ہیں۔ منزل عشق بڑی سخت منزل ہے اور عشق کا راستہ بھی بڑا طویل اور لمبا ہے۔

یہ بھی وہی جگہ ہے جسے کعبہ میں دیکھا جا سکتا ہے اگر تیری آنکھیں بینا ہیں تو ذرا بتکدے میں دیکھو تو سہی یہاں بھی وہی نور موجود ہے جو کعبہ میں ہے۔

قاضی صاحب کے دل میں تو گائیوں اور گدھوں کا (یعنی دنیاوی مال و متاع کا) خیال سمایا ہوا ہے اور اسکی زبان پر اللہ کا ذکر جاری ہے اور پھر قاضی صاحب یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ انہوں نے نماز کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس تخیل کو حضرت بوعلی قلندرؒ نے اپنی مثنوی شریف میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔

بر زباں تسبیح و دردل گاؤ خر
ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

اے قلندر! اگر تم دوست کے دروازے پر پہنچنا چاہتے ہو تو وہاں صرف عاجزی اور نیازمندی کا ہدیہ ہی قبول کیا جاتا ہے۔ بقول کسے

؎ چار چیز آوردہ ام شاہا کہ درگنج تو نیست
نیستی و حاجت و جرم و گنہہ آوردہ ام

(غزل21)

مرا اندر گره گر نقد دین است
چرا چشم تو آں را درکمین است

زہے آں عتبۂ عالی کہ آنجا
جبین آسماں ہم بر زمین است

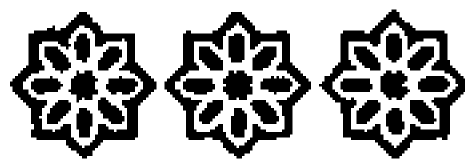
ستمگارے کہ مارا جان و دل برد
ہمین است و ہمین است و ہمین است

بگردوں انجمن تاباں کہ بنی
فروغ جلوۂ آں مہ جبین است

بہ پیش عارض پرنور جاناں
چہ مہر روشن و ماہ مبین است

ہرآں کو دیدہ اش دیداست او را
نمے گویم چناں است و چنین است

قلندر بوعلی را باتو رمزیست
کزاں غافل کراماً کاتبین است



(21)

اگر دین کی نقدی میری گرہ میں ہے تو پھر اس کے اچک لینے کیلئے کیوں گھات لگائے ہوئے ہو؟ کیا خوب ہے وہ بلند درگاہ کہ جس کے آگے آسمان کی پیشانی بھی زمین پر جھک گئی ہے۔ جو ستمگر محبوب ہماری جان اور ہمارا دل لے گیا ہے وہ یہی ہے۔ وہ یہی ہے۔ وہ یہی ہے۔ تمہیں آسمان پر تاروں کی جو انجمن روشن نظر آ رہی ہے یہ اسی ماہ جبیں کے جلوہ کا حسن ہی تو ہے۔ میرے محبوب کے پرنور رخسار کے مقابلہ میں روشن سورج اور ماہ تاباں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ جس نے اسے دیکھا سو دیکھا میں کیوں کہوں؟ کہ وہ ایسا ہے وہ ویسا ہے۔ یعنی کوئی بھی حروف اور الفاظ اس کے حسن کی تعریف نہیں کر سکتے۔ بقول مرزا غالب

؎ بلائے جاں ہے غالب اسکی ہر بات
عبارت کیا، اشارت کیا، ادا کیا

بوعلی قلندر کے تیرے ساتھ کچھ اسی طرح کے رازدارانہ معاملات ہیں کہ جن کی خبر کراماً کاتبین کو بھی نہیں ہے۔ بقول حافظ شیرازؒ

؎ میان عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

غزل(22)

واَلضحیٰ شرح نور طلعت اوست
لعلیٰ خلق وصف سیرت اوست

مصحفے را ورق ورق دیدم
ہیچ سورت نہ مثل صورت اوست

فارغ از این وآں بداں آں را
کہ دل تو مقام خلوت اوست

سوئے کثرت بچشم دل نگری
جلوہ پرداز نورِ وحدت اوست

تا ابد زندگی ہے یابد
ہر کہ او کشتۂ محبت اوست

نازم آں فتنۂ دو عالم را
کہ قیامت غلام قامت اوست

شرف دوجہاں اگر خواہی
ہمہ دربندگی حضرت اوست



(22)

سورۂ والضحیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کے حسن و جمال کے نور کی شرح ہے اور آیت ''انک لعلیٰ خلق عظیم'' آپ کی سیرت کی وصف ہے۔ میں نے قرآن کریم کا ایک ایک ورق کھول کر دیکھا ہے اسکی کوئی سورت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کی طرح نہیں ہے۔ اپنے دل کو مختلف خیالات سے خالی رکھو کیونکہ تیرا دل اس محبوب حقیقی کا خلوت خانہ ہے۔ لہٰذا اس کے بغیر کسی اور خیال کو یہاں بھٹکنے نہیں دینا چاہئے۔ دل کی آنکھوں سے کثرت کی طرف دیکھو ہر جگہ اسی محبوب حقیقی کی وحدت کا نور جلوہ فرما ہے جو بھی اسکی محبت کا کشتہ ہو جاتا ہے اُسے ابدی زندگی حاصل ہو جاتی ہے بقول نظیری نیشاپوری

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

میں اس محبوب پر نازاں ہوں جو دونوں جہانوں کیلئے فتنہ ہے اور قیامت اس کے قد کی غلام ہے۔ یعنی اس کا قد خود ایک قیامت کبریٰ ہے اور قیامت اس کے مقابلہ میں قیامت صغریٰ ہے۔ قامت اور قیامت کے درمیان ''ی'' کے فرق نے شعر کی فصاحت و بلاغت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اگر تم دونوں جہان کی عزت چاہتے ہو تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں ہی یہ عزت حاصل ہوگی۔ اس شعر کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اے شرف! اگر تم دونوں جہان چاہتے ہو تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس شعر میں ''صنعت ذو معنین'' استعمال ہوئی ہے۔

غزل(23)

منزل عشق بس خطرناک است
عقل اینجا نہ چست و چالاک است

عشق چوں شعلۂ بلند کند
ہستیٔ ما برنگ خاشاک است

در رہ عقل گام مے نزند
ہرکہ درعشق چست و چالاک است

تا جمال تو پرتوے افگند
روح رقصاں بقالب خاک است

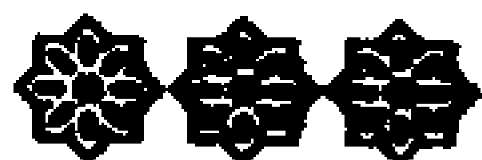
چوں ستارہ ز فیض مقدم او
ذرۂ ماہ باوج افلاک است

زاہدا چوں شوی تو محرم ما
سینۂ تو ز کینہ ناپاک است

پنجہ دیوانگی چوں کرد دراز
درگریبان ما دوصد چاک است

درنظر صد بہشت می دارد
آنکہ مفتون دختر تاک است

خواہد از جاں بلند پروازی
بوعلی از دو کون غمناک است



(23)

عشق کی منزل بڑی خطرناک ہے۔ یہاں عقل کی چستی اور چالاکی کام نہیں دیتی۔ عشق جب اپنا شعلہ بلند کرتا ہے تو ہماری ہستی وہاں خس و خاشاک ہو جاتی ہے۔ جو شخص عشق میں کامل ہوتا ہے وہ عقلمندی کی راہ میں قدم نہیں رکھتا یعنی وہ عقل کے اشاروں پر نہیں چلتا۔

جب تیرے حسن و جمال نے اپنا عکس ڈالا تو مٹی کے ڈھانچے میں روح رقص کرنے لگ گیا۔ تیری تشریف آوری کی برکت سے ہمارا ذرۂ خاکی ستارے کی طرح آسمانوں کی بلندیوں پر پہنچ گیا۔ اے زاہد! تو کس طرح ہمارا محرم راز بن سکتا ہے جبکہ تیرا سینہ ابھی کینہ سے ناپاک ہے۔ بقول کسے:۔

؎ کفراست نزد ما بہ کسے کینہ داشتن
آئین ما است سینہ چوں آئینہ داشتن

جنون اور دیوانگی نے اپنا پنجہ دراز کیا تو ہمارا گریبان سینکڑوں جگہ سے چاک چاک ہو گیا جسے پنجابی زبان میں کہتے ہیں کہ لیراں لیراں ہو گیا۔ جو شخص معرفت کی شراب انگوری کا دلدادہ ہوتا ہے اسکی نظروں میں سینکڑوں بہشت جلوہ گر ہو جاتے ہیں۔ بوعلی دونوں جہانوں سے تنگ اور ناخوش ہے اس لئے وہ اپنی جان کی پرواز بلندی کی طرف چاہتا ہے۔

غزل(24)

الغیاث اے مرشد جاں الغیاث
جان ما بردند خوباں الغیاث

اے ز مژ گانے قدر انداز تو
شد بغارت دین و ایماں الغیاث

اے مسلماناں بغارت بردہ اند
دلبراں مارا دل و جاں الغیاث

اے مسلسل موئے زلفت از مدام
حال ما باشد پریشاں الغیاث

درد ہا داریم پنہاں اے طبیب
چیست درماں چیست درماں الغیاث

مرشدے کو؟ تا براہم آورد
راہ گم شد در بیاباں الغیاث

بوعلی می گفت با یک شعلہ رو
سوختیم از سوز ہجراں الغیاث



(24)

اے میری جان کے مرشد! میری فریادرسی کیجئے۔

میرے محبوب تو میری جان بھی لے گئے ہیں میری فریادرسی کیجئے۔ اے میرے محبوب! تم اپنی پلکوں سے ایسے تیر چلاتے ہو جن کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا لہٰذا میرے دین وایمان دونوں غارت ہو چکے ہیں میری فریادرسی کیجئے۔

اے مسلمانو! ان محبوبوں نے تو ہمارے دل اور جان کو لوٹ لیا ہے۔ میری فریادرسی کیجئے۔

اے محبوب! تیری زلفوں کے بال جو ہمیشہ گندھے ہوئے ہوتے ہیں انکی وجہ سے میری حالت ہروقت پریشان رہتی ہے میری فریادرسی کیجئے۔

اے طبیب! ہم بہت سی پوشیدہ امراض رکھتے ہیں آپ بتائیں ہمارا کیا علاج ہے؟ کیا علاج ہے؟ میری فریادرسی کیجئے۔

ایسا مرشد کہاں ہے؟ جو ہمیں سیدھی راہ پر لے آئے۔ ہم بیابان میں راستہ بھٹک گئے ہیں میری فریادرسی کیجئے۔ بوعلی ایک شعلہ کے چہرے والے محبوب سے کہتا ہے کہ ہم تیری جدائی کے سوز سے جل گئے میری فریادرسی کیجئے۔

ج

غزل(25)

ما طبیب عشق داریم احتیاج
درد ما جزوے نہ پذیرد علاج
تاجلال تو بما پرتو فگند
درجہاں شہرہ شدیم آتش مزاج
در دیار خرقہ پوشان خدا
خود فروشی را نمے باشد رواج
شاہ ماگردی ز ، فیض اہل فقر
خاک شاں برسر نہی گرہچوں تاج
تو بگرد خویش گرد وکعبہ بیں
گرد کعبہ دیدۂ گرطوف حاج
می شود ۔ روشن سراج ما ازو
مرشد ما ہست روشن چوں چراغ
بہر تسکین، مشق ذکر جہر کن
بوعلی دردل چو داری اختلاج



(25)

ہمیں عشق کے طبیب کی ضرورت ہے اور ہم اسی کے محتاج ہیں۔ اس کے بغیر ہمارا مرض کسی دوسرے شخص کے علاج کو قبول نہیں کرتا۔ جب سے تیرے جلال کا عکس ہم پر پڑا ہے ہم زمانے میں آتش مزاج مشہور ہو گئے ہیں۔ اللہ کے خرقہ پوش قلندروں کے دیس میں اپنی فقیری کی نمائش کا رواج نہیں ہوتا۔ اگر تم فقیروں کی خاک پا کو اپنے سر پر تاج کی طرح سجاؤ گے تو اہل فقر کے فیضان سے تم زمانے کے بادشاہ ہو جاؤ گے۔

اگر چہ تم نے کعبہ کے گرد حاجیوں کو طواف کرتے ہوئے دیکھا ہے تاہم تم اپنے دل کا طواف کرو تمہیں یہیں کعبہ نظر آ جائیگا۔ اس موضوع پر ایک اور صاحبدل نے خوب فرمایا ہے:۔

ے طواف کعبۂ دل کن اگر دلے داری
دل است کعبۂ معنی، تو دل چہ پنداری؟
طواف کعبۂ صورت، حق ازاں فرمود
کہ تا بواسطۂ آں دلے بدست آری
ہزار گنج عبادت، ہزار خوان کرم
ہزار طاعت شبہا، ہزار بیداری
ہزار روزہ نماز و ہزار حج و نیاز
قبول نیست اگر یک دلے بیازاری

یعنی اگر تمہارے سینہ میں دل ہے تو پھر اپنے دل کے کعبہ کا طواف کرو۔ تم دل کو کیا سمجھتے ہو؟ اصلی اور حقیقی کعبہ تو دل ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے ظاہری کعبہ کا طواف کرنے کا حکم اس لئے دیا ہے تاکہ اس کے وسیلہ سے تم دل کے حقیقی کعبہ کو حاصل کر سکو، ہزار عبادتیں، ہزار صدقات وخیرات، ہزار راتوں کی ریاضتیں اور عبادتیں اور ہزار شب بیداری ہزار روزے، ہزار نمازیں، ہزار حج اور ہزار صدقات بھی (اگر تم کسی کا دل دکھاؤ گے) تو اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہیں۔

ہمارا مرشد چراغ کی طرح روشن ہے۔ ہمارے دل کا چراغ اسی سے روشن ہوگا۔ اے ابوعلی اگر تمہارے دل میں کچھ کھٹکا ہے تو تسکین قلب کی خاطر اللہ کا ذکر بالجہر کرو تاکہ تمہیں اطمینان قلب نصیب ہو جائے۔ اس شعر میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

غزل(26)

به چشم عاشقان غیر از خدا ہیچ
زمین و آتش و آب و ہوا ہیچ

بنزد آنکه دل اندر خدا بست
نماز و قبله و قبله نما ہیچ

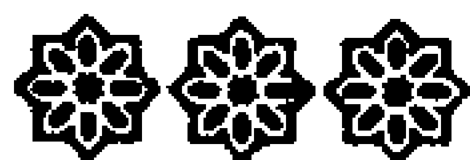
گدائے کز درت خاکے بسر کرد
به پیش او بود ظل ہما ہیچ

بچشم آنکه طاعت بے ریا کرد
بہشت و دوزخ و خوف و رجا ہیچ

نگیرم چوں بدست آں زلف مشکیں
که باشد نافهٔ ملک خطا ہیچ

قضا گر دست می گیرد کسے را
دوا ہیچ است آنجا ہم دعا ہیچ

دل او شد غنی از عشق مولا
قلندر داند از شاہاں عطا ہیچ



(26)

عشاق کی نظروں میں ماسوی اللہ (اللہ کے سوا) اور کچھ بھی نہیں ہے۔آگ، پانی، ہوا اور خاک چاروں عناصر کچھ بھی نہیں ہیں۔جس نے اپنے دل کو اللہ سے وابستہ کر دیا پھر اس کیلئے نماز، قبلہ اور قبلہ نما پیچھے رہ جاتے ہیں۔یعنی جب اللہ کا وصال حاصل ہو گیا تو وصال کے ذرائع اور اسباب پیچھے رہ جاتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ مومنوں کو یہ مقام بہشت میں جا کر اور اللہ کا دیدار حاصل کرنے کے بعد ملے گا۔

جس گداگر نے تیرے دروازے کی مٹی اپنے سر پر ڈال لی اس کے نزدیک ہما کا سایہ کوئی چیز نہیں ہے۔کیونکہ ہما کا سایہ پڑنے سے صرف دنیاوی بادشاہی ملتی ہے جبکہ اللہ کے عاشقوں کو دنیاوی بادشاہی حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔اللہ کے جس عاشق نے بغیر ریاکاری کے اللہ کی عبادت کی اسکی نظروں میں، بہشت، دوزخ، خوف اور امید کوئی چیزیں نہیں ہیں۔

جب تک کہ میں محبوب حقیقی کی خوشبودار زلفوں کو نہ چھولوں اس وقت تک میں ملک خطا کے ہرن کی خالص کستوری کو ہیچ سمجھتا ہوں۔یعنی میرے نزدیک اسکی زلفوں کی خوشبو ہی کستوری ہے۔جب اللہ کی قضا کسی کو اپنی گرفت میں لے لے تو پھر دوا کام آتی ہے نہ دعا۔یعنی تقدیر مبرم جب نازل ہو جائے تو پھر دوا اور دعا کام نہیں آتیں۔

قلندر کا دل اللہ کے عشق کی بدولت غنی ہوتا ہے اس لئے بادشاہوں کے عطیات ان کے نزدیک ہیچ ہیں۔

ح

غزل(27)

چوں مؤذن زند صلائے صلاح
ما صبوحی کشیم وقت صباح

نعرۂ عاشقانہ بر داریم
کہ ببانگ نماز نیست فلاح

ما ز جام طہور مئے ندہیم
گرچہ زاہد کند ہزار الحاح

کشتیٔ ما بُورطۂ دریا
غافل از موج خیز آں ملاح

می کند فاش ہرکہ راز حبیب
خون او را ہی کنند مباح

ما چہ داریم امید از دستت
کہ ز دست تو کس نیافت نجاح

بوعلی را بہ بیں کہ در عشقت
می کشد نعرہ ہرمسأ و صباح



(27)

جب موذن صبح کی اذان دیتا ہے ہم اس وقت یعنی علی الصبح شراب صبوحی پیتے ہیں۔

یہ یاد رہے کہ قلندروں کی اصطلاح میں پچھلی رات کی عبادت اور ریاضت کو شراب صبوحی کہا جاتا ہے۔

ہم اس لئے نعرۂ مستانہ مار رہے ہیں کہ نماز کی اذان میں تو ہمیں کوئی فلاح اور نجات حاصل نہیں ہوتی۔ یعنی ملا چونکہ دردِ عشق کے ساتھ ''حی علی الفلاح'' کے الفاظ نہیں کہتا بلکہ صرف رسمی طور پر کہتا ہے اس لئے اس کے کہنے سے فلاح حاصل نہیں ہوتی۔

خواہ خشک زاہد ہزار منت سماجت کرے پھر بھی ہم اسے جام طہور کی شراب معرفت نہیں دیتے کیونکہ وہ دردِ عشق سے کورا ہے۔

ہماری کشتی خواہشات نفسانی کے دریا کے بھنور میں پھنسی ہوئی ہے اور ہماری عقل کا ملاح دریا کی طغیانیوں سے ناواقف ہے۔ اس شعر میں موج خیز کا لفظ استعمال ہوا ہے اس سے کنایتاً دریا مراد ہے۔

جو سالک اپنے محبوب حقیقی کا راز فاش کرتا ہے اس کا خون مباح یعنی جائز سمجھا جاتا ہے۔ ہم آپ کے ہاتھوں سے نجات کی کیا توقع رکھیں جبکہ کوئی بھی تیرے ہاتھوں کی گرفت سے آزاد نہ ہوسکا۔

آں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد ؎

بوعلی کی طرف دیکھئے کہ تیرے عشق میں ہر صبح و شام نعرہ پہ نعرہ مار رہا ہے۔

خ

غزل(28)

گرچہ جولانگاہ در آغاز عشق آمد فراخ
لیکن آید رفتہ رفتہ راہ سخت و سنگلاخ

من بہ طفلی درکنار خوب رویاں رفتمے
عہدمن باعشق باشد مستحیل الانفساخ

راہ دشوار است راہ من کہ بر ہر منزلے
درمیان خار و خارا ناقہ گیرد مناخ

جملہ دنیا بے ثبات و زندگی ہم بے ثبات
در رہ سیلاب می ریزند مردم طرح کاخ

آہ من آتش زند درخرمن شمس و قمر
نعرۂ من می شگافد گوش گردوں را صماخ

از تطاولہائے زلف پر ز تابش آہ آہ
واز تغافلہائے چشم نیم خوابش آخ آخ

اےعلی چوں تازہ رو نماید اندر عشق تو
ورنہ بے پژمردہ گردد چوں جدا شد گل ز شاخ



(28)

اگرچہ عشق کی ابتدا میں ہماری دوڑ دھوپ کا میدان بڑا فراخ اور لمبا چوڑا نظر آیا لیکن آہستہ آہستہ راستہ بڑا سخت اور پتھریلا آتا گیا بقول حافظ شیراز

؎ کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

میں بچپن سے ہی محبوبوں کی آغوش میں جانے کا عادی تھا اس لئے اب عشق کے ساتھ میرا معاہدہ ناقابل تنسیخ ہے کیونکہ بچپن کا معاہدہ "نقش فی الحجر" یعنی پتھر پر لکیر ہوا کرتا ہے۔ میرا راستہ بڑا مشکل راستہ ہے اسی لئے ہر منزل پر میری ناقہ کانٹوں اور پتھروں میں بیٹھ جاتی ہے۔ ساری دنیا بھی بے ثبات اور فانی ہے۔ گویا یہ سب لوگ سیلاب کی گزرگاہ پر محلات تعمیر کر رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ سیلاب کی گزرگاہ میں جو محل تعمیر کیا جائیگا وہ گر جائیگا۔ میری آہ چاند اور سورج کے خرمنوں میں آگ لگا دیتی ہے اور میرا نعرہ آسمان کے کانوں کے سوراخ میں شگاف کر دیتا ہے۔ میں اسکی تابدار زلفوں کے مظالم سے "آہ آہ اور ہائے ہائے" کر رہا ہوں اور اس کی نیم خواب (ادھ کھلی) آنکھوں کی غفلت شعاری کے کیا کہنے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں

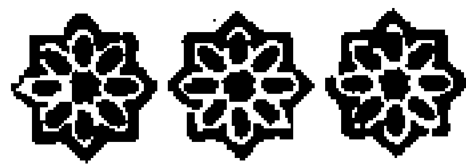
؎ گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر
عقل و خرد شکار کر قلب و نظر شکار کر

اے محمد علی! جب تو اپنا خوبصورت و ترو تازہ چہرہ عشق میں دکھاتا ہے تو وہ درد عشق کی وجہ سے ٹہنی سے ٹوٹے ہوئے پھول کی طرح ایک دم اور فوراً پژمردہ ہو جاتا ہے۔

د

غزل(29)

زعشق روئے نتابم اگر سرم برود
نہ گاہے از دل من یاد دلبرم برود
کجا ز بادیۂ عشق پائے بازکشم
اگرچہ بارمن افتدہم اشترم برود
ہزار سربسر آید چوں شمع تو بر تو
زدست تیغ جفائے تو ار سرم برود
نصیب روئے رقیبان من شود یا رب!
سیاہئی اگر از روئے اخترم برود
فدائے زیور گوشش کہ گوشوارہ شود
چوں از رخم زر و از دیدہ گوہرم برود
دراز باد شب وصل تا ابد یا رب
کہ دلبرم بہ بہانہ نہ از برم برود
شرف چوں شربت دیدار تو چشیدہ بگفت
مباد ایں کہ بلب نام کوثرم برود



(29)

اگر میرا سر بھی قلم ہو جائے تو میں عشق سے روگردانی نہیں کروں گا اور نہ ہی میرے دل سے محبوب کی یاد کبھی فراموش ہوگی۔ میں عشق کے صحرا میں سے ہرگز باہر نہیں نکلوں گا خواہ میرا بوجھ نیچے گر پڑے اور میرا اونٹ بھی کہیں بھاگ جائے۔ تیری جفا کی تلوار سے اگر میرا سر قلم کیا جائے تو شمع کی طرح اوپر تلے سینکڑوں سر مجھے مل جائیں گے۔ بقول شاعر

ے کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں ازغیب جان دیگراست

اگر کبھی میرے ستارے کے چہرے کی سیاہی اتر جائے تو اے رب! اسے میرے رقیبوں کے چہروں پر مل دینا۔ جب میرے چہرے کے سرخ رنگ کا سونا اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی ٹپک کر گر پڑیں تو خدا کرے کہ یہ میرے محبوب کے کانوں کے زیور پر قربان ہو جائیں تا کہ یہ اس کے کانوں کی بالی بن سکیں۔

یارب! وصل کی رات ابد تک لمبی ہو جائے تا کہ میرا محبوب کوئی بہانہ بنا کر میری آغوش سے نہ نکل جائے۔

جب شرف نے تیرے دیدار کا شربت چکھ لیا تو کہنے لگا خدا کرے میرے لبوں پر اب حوض کوثر کا نام کبھی نہ آئے۔ یعنی محبوب حقیقی کے دیدار کا شربت چکھ لینے کے بعد حوض کوثر پینے کی حسرت نہیں رہتی۔

غزل(30)

زہے حسنے کہ روئے یار دارد
کہ درآغوش صد گلزار دارد

سرزلفش کہ مست و لاابالی
کمیں گاہ ہر دلے ہشیار دارد

لبے مرداں ز کار افتادہ بینی
بداں چشمے کہ او بیمار دارد

ہرآں حلقہ کہ درجعدش فزودند
ہزاراں حلقہ ہائے مار دارد

ہرآں سطرے کہ بر رویش نوشتند
ہزاراں معنی ؤ اسرار دارد

دلم در یاد مژگانت چناں است
کہ می خواہد سرم بردار دارد

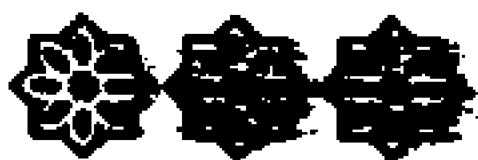
زبوئے موئے او عیسیٰ ابن مریم
"نفخت فیہ" را اقرار دارد

تعالی اللہ چہ روئست اینکہ ہر دم
ہزاراں جوشش انوار دارد

ہرآں عارف کہ برچشمش نگہ کرد
ہوائے خانۂ خمار دارد

ہرآں زاہد کہ در زلفش درآویخت
چوں کافر برکمر زنار دارد

شرف در عشق و گشت آں قلندر
کہ ہفتاد و دو ملت یار دارد



(30)

سبحان اللہ میرے محبوب کے چہرہ کے حسن کے کیا کہنے کہ سینکڑوں باغ اسکی آغوش میں ہیں۔ اسکی زلفیں بڑی شوخ اور لاپرواہ ہیں جو کہ دلوں کا شکار کرنے کیلئے گھات لگائے ہوئے ہیں اور ہر دل خطرے کے پیش نظر چوکنا ہے۔

میرے محبوب کی چشم بیمار سے تم بہت سے بہادر مردوں کو سر کے بل گرا ہوا دیکھو گے۔ واضح رہے کہ محبوب کی مست آنکھوں کو چشم بیمار کہا جاتا ہے۔

اس کے گھنگھریالے بالوں کے ہر حلقہ میں ہزاروں سانپ حلقہ لگائے پڑے ہیں۔ قضا وقدر نے اس کے چہرے پر جو خوبصورت سطر لکھی ہے اس میں ہزاروں معانی اور اسرار پوشیدہ ہیں۔ تیری پلکوں کی یاد میں میرے دل کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ وہ میرے سر کو تختۂ دار پر لٹکانا چاہتا ہے۔ میرے محبوب کے بالوں کی خوشبو سے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام بھی نفخت فیه من روحی کا اقرار کر رہا ہے۔ (اسی لئے اسے "روح اللہ" کا اعزاز ملا ہے)

سبحان اللہ! یہ کتنا خوبصورت چہرہ ہے کہ اس سے انوار کی ہزاروں کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ جس عارف نے اسکی آنکھوں کو دیکھا وہ نئے فروش کے گھر میں جانے کا خواہشمند ہو جاتا ہے عالم ملکوت کی طرف اشارہ ہے جو زاہد اسکی زلفوں سے لٹک جاتا ہے وہ اس کافر کے مشابہ ہو جاتا ہے جس نے اپنی کمر پر زنار یعنی جنیو باندھ رکھی ہو۔

شرف اس ذات پاک کے عشق میں قلندر ہو گیا ہے لہٰذا وہ بہتر (72) مذہبوں کو دوست سمجھتا ہے۔ یعنی اسے ہر رنگ میں اسی ذات پاک کا نور نظر آتا ہے۔

غزل(31)

گماں بردم ز عشق تو جاں نیارم برد
کہ گو نہ۔گو نہ غم عشق تو مرا آزرد
خلاف مصلحتش ساقیانہ پندارم
اگر بجام کساں صوفی و بجام درد
نہ یک پسر بدلم جاکند نہ یک دختر
ہزار عشق بدنیساں بزاد و باز بمرد
تو یک نظر بہ سر کوئے خود فگن بارے
کہ چند کشتۂ غم غشقت از بزرگ وز خورد
چہ خوف محتسب و واعظ آرد اندر دل
طریق طعن و ملامت چوں عاشق تو سپرد
زنا وکے کہ بجست از کمان ابرویت
کدام ہست کہ برسینہ زخم عشق نخورد
برد واریم من و ساؤجی ز ما ہریک
ہماں قدر کہ بود جاگی مناسب برد
قلندرانہ بسر می برد شرف درعشق
کہ محوزلف تو گردید ریش و سربسترد



(31)

میں نے یقین کر لیا ہے کہ تیرے عشق سے میں اپنی جان نہیں بچا سکوں گا۔ کیونکہ تیرے عشق نے مجھے طرح طرح کے صدمے پہنچائے ہیں۔

اے ساقی! میں اس بات کو مصلحت کیخلاف نہیں سمجھتا کہ دوسرے لوگوں کے جام میں خالص شراب اور میرے جام میں تلچھٹ ڈالی گئی یعنی اس بات میں بھی تیری کوئی مصلحت ہوگی کہ دوسروں کو خالص شراب اور مجھے تلچھٹ پلائی گئی۔ الغرض میں تیری ہر تقدیر پر خوش ہوں۔ اس شعر میں صوفی سے مراد خالص شراب اور درد سے تلچھٹ مراد ہے۔ میرے دل میں بیٹے کی خواہش جاگزیں ہے نہ بیٹی کی کیونکہ دنیا میں ایسی ہزاروں خواہشیں پیدا ہوئیں اور مر گئیں۔ تم ذرا اپنے کوچے میں ایک نظر سے دیکھو تو سہی کہ تیرے عشق کے غم سے کتنے بڑی عمر کے اور کتنے چھوٹی عمر کے لوگ یعنی ہر عمر اور ہر درجے کے لوگ کشتہ ہوئے۔ تیرے عاشق کے دل میں کوتوال اور واعظ کا کیا خوف ہوسکتا ہے جبکہ اس نے پہلے سے ہی طعنوں اور ملامتوں کے دفتروں کو اپنے سینے سے لگا رکھا ہے۔ تیرے اس تیر سے جو تیری ابرو کی کمان سے نکلا ہے ایسا کون شخص ہے جس نے اپنے سینہ پر تیرے عشق کا زخم نہ کھایا ہو یعنی کوئی نہیں بچا۔ میں اور سلمان ساوجی دونوں عشق کی شطرنج کھیلنے والے ہیں ہم میں سے ہر ایک کو اپنی استعداد کے مطابق عشق کی تلچھٹ ملی ہے۔ واضح رہے کہ اس شعر میں برد بمعنی شطرنج اور جامگی بمعنی تلچھٹ استعمال ہوئے ہیں۔

سلمان ساوجی ایک شاعر گزرا ہے جو حضرت بوعلی قلندرؒ کا تقریباً ہمعصر تھا۔ اس کی وفات 767ھ میں ہوئی۔ قلندر صاحب نے اس شعر میں سلمان ساوجی کو بھی اپنا ہم خیال بتایا ہے۔

سلمان ساوجی کا ایک شعر عرض کیا جاتا ہے تا کہ اس کے تخیل کا اندازہ ہو سکے۔

؎ مرا تیر تو سخت آمد کہ بر بیگانگاں آمد
چوں زخمے می زنی بادے بیا بر آشنائے زن

یعنی اے دوست! تو نے جو تیر بیگانوں پر چلایا ہے مجھے اس سے تکلیف پہنچی ہے۔ اگر تمہیں زخمی کرنے کا شوق ہے تو آؤ اور تیر اپنے دوست پر چلاؤ یعنی مجھ پر چلاؤ

شرف نے تیرے عشق میں اپنی زندگی قلندروں کی طرح بسر کی حتی کہ وہ تیری زلفوں میں ایسا مدہوش ہوا کہ وہ اپنی داڑھی اور سر کے بالوں سے بھی بے نیاز ہو گیا۔ یعنی اس نے داڑھی اور سر کے بالوں کو صاف کر دیا ہے۔

غزل(32)

تن غم او را فدا سر می کند
جاں غمش را بر سر افسر می کند

عشق او در سینہ ام ہر ساعتے
دارو گیرے دیگر از سر می کند

عشق او چوں می زند امواج تند
جملہ را در خوں شناور می کند

سوختم از آتش ہجر کسے
شعلہ ہا از سینہ ام سر می کند

رحم و شفقت در دلش ناآید مگر
غفلت اندر جور کمتر می کند

خوش کسے کو از عطائے ایزدی
خلعت تجرید در برمے کند

خوش کسے کورا خدائے بے نیاز
در جہاں مرد قلندر می کند

بر سر دریائے آتش محو تو
در زمان خواب بستر می کند

بوعلی کو ختہ از غمہائے تو
ہر زماں شادیٔ دیگر می کند



(32)

میرا جسم اس کے غم کو میرے سر کیلئے سر بہا قرار دیتا ہے اور میری جان اس کے غم کو میرے سر کا تاج سمجھتی ہے۔ یعنی سر چلا جائے تو پرواہ نہیں کیونکہ محبوب حقیقی کا غم بطور سر بہا اور معاوضہ کے مل جاتا ہے اسی طرح میرا سر ننگا نہیں رہتا بلکہ محبوب حقیقی کا غم سر کیلئے تاج کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس کا عشق ہر لحہ از سر نو میرے سینہ پر حملہ آور ہوتا رہتا ہے۔

جب اس کا عشق تندی اور تیزی میں موجزن ہوتا ہے تو سب کو یعنی سینہ اور سر دونوں کو خون میں نہلا دیتا ہے۔ میں محبوب حقیقی کی جدائی کی آگ میں جل چکا ہوں اور میرے سینے سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں مگر اس کے دل میں ابھی تک رحم و شفقت نہیں آئی البتہ وہ مزید جو رو جفا کرنے میں سستی یا کوتاہی نہیں کرتا۔

کتنا خوش نصیب ہے وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش سے تجرید کا لباس زیب تن کرتا ہے۔ واضح رہے کہ تجرید اور تفرید تصوف کی اصطلاحیں ہیں اور یہ فقر کے بلند درجات ہیں۔

کتنا خوش قسمت ہے وہ شخص جسے بے نیاز اللہ تعالیٰ جہان میں مرد قلندر بنا دیتا ہے۔

اے قلندر! تو آگ کے دریا پر تیر رہا ہے اور اسی آگ کے دریا پر بستر بچھا کر سوتا ہے۔

بوعلی جو تیرے غموں سے زخمی ہو چکا ہے ہر لحہ وہ زخمی ہونے کی خوشیاں ہی منا رہا ہے۔

غزل(33)

زعکس روئے تو جانے درآدم آوردند
پسش بسجدۂ آں خیل قدس را بردند

ہزار آدم ، عالم نمود سجدہ ترا
اگرچہ سجدہ ، ملائک برآدم آوردند

خیال روئے تو در ہر سرے کہ غوغا کرد
در عالمش چو خیالے بدیدہ آوردند

روان آدم وہم روئے یوسف مصری
زکوۃ خوبی تو بستدند و پروردند

خیال روئے تو در دیدۂ کسیکہ نشست
خیال ہر دو جہانش ز دیدہ بستردند

ز شمع روئے تو سودے بعاشقاں نرسید
کہ جان خود ہمہ پروانہ وار بسپردند

نخوردہ اند مئے عشق در الست کساں
کہ بر فضیحت عشاق حیف می خوردند

مولہاں بہ ازل عکس صورتت دیدند
از آنکہ تا بہ ابد پائے حیرت افشردند

شرف زعشق تو گشت آں قلندر سرمست
کہ جملہ مدعیاں از مہابتش مردند



(33)

قضا وقدر نے تیرے چہرے کے عکس سے آدم علیہ السلام میں جان ڈالی پھر اسے تمام عالم ملکوت کا سجدہ کرانے کیلئے لے گئے پھر ہزارہا مخلوقات نے تجھے سجدہ کیا۔ اگرچہ ملائک نے بظاہر وہ سجدہ آدم علیہ السلام کو کیا تھا پھر جس سر میں تیرے چہرے کا خیال پیدا ہوا تمام دنیا میں اس سر کو خیال کی طرح آنکھوں میں لایا گیا۔ آدم کی روح کو اور یوسف علیہ السلام کے چہرے کو تیرے حسن کی زکوٰۃ سمجھا گیا اور اسکی پرورش کی گئی۔ تیرے چہرے کا خیال جس کسی کی آنکھوں میں بیٹھ گیا اسکی آنکھوں سے دونوں جہان کا خیال محو ہو گیا۔ تیرے چہرے کی شمع سے عاشقوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچا کیونکہ انہوں نے اپنی جان کو پروانے کی طرح قربان کر دیا جو لوگ عاشقوں کی خواری اور فضیحت و رسوائی پر افسوس کرتے ہیں انہوں نے روز الست میں عشق کی شراب چکھی ہی نہیں۔

تیرے عاشقوں نے روز ازل میں تیری صورت کا عکس دیکھا تھا اسی لئے وہ ابد تک دیوانہ وار حیرت سے پاؤں زمین پر مارتے رہے یعنی رقص کرتے رہے۔ تیرے عشق کی بدولت شرف ایسا مست قلندر ہو گیا ہے جسکی ہیبت سے تمام جھوٹے مدعیان مر گئے ہیں۔

غزل(34)

ہزار سجدہ کہ یاراں بصورت تو برند
ولے زباغ وفائے تو میوہ نخورند

خبر بنود عزازیل را ز صورت تو
وگرنہ گفتی یاراں ز سجدہ مفتقراند

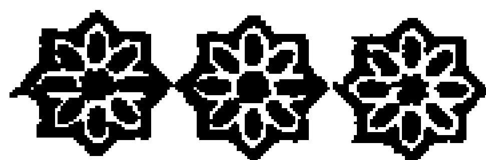
کساں کہ منکر صورت پرستیت ہستند
اگرچہ عیسٰی وقت اند جملہ دم خرند

کساں کہ طاعت بت می کنند مغروروند
اگر زنکتۂ روئے تو ہیچ باخبرند

بنود سجدۂ آدم مگر برائے وخت
کہ عاشقانت از ہر حجاب می نگرند

جمال روئے تو در بحروبر ہے نگریم
دریں محلہ "اناالحق" زناں نہ معتبراند

شرفؔ قلندری از پر تو جمال تو یافت
ز راز عشق وے ایں اہل زور بے خبرند



(34)

یارلوگ جو ظاہری صورت میں ہزاروں سجدے کرتے ہیں لیکن اے اللہ! وہ تیری وفا کے باغ کا کوئی میوہ نہیں کھا پاتے بقول مولانا فخر الدین عراقی

بزمیں چوں سجدہ کردم ز زمیں ندا برآمد
کہ مرا خراب کردی تو بہ سجدۂ ریائی

اس تخیل کو علامہ اقبالؒ نے یوں باندھا ہے

جو میں سر بہ سجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں؟

شیطان کو تیری صورت کا علم نہ تھا ورنہ وہ بھی سجدہ کرنے سے انکار نہ کرتا

جو تیری صورت یعنی تیری ذات کی پرستش سے منکر ہیں خواہ وہ وقت کے عیسیٰؑ ہوں پھر بھی وہ گدھے کی دم ہیں۔ یعنی خواہ وہ شیخ المشائخ بنے ہوئے ہوں پھر بھی انکی کچھ حیثیت نہیں اور فی الواقع وہ بالکل بے وزن اور ہیچ ہیں۔

جو کسی صورت کی بندگی کرتے ہیں اگر وہ تیرے چہرے کے ایک نکتہ کی بھی خبر رکھتے ہیں تو وہ بجا طور پر نازاں ہیں۔ تیرے چہرے کی وجہ سے ہی آدم علیہ السلام کے سجدہ کا حکم دیا گیا تھا کیونکہ تیرے عاشق تمام حجابات کے اندر بھی تجھے دیکھ لیتے ہیں۔ اے اللہ! ہم تیرے چہرے کا حسن و جمال بحر و بر کے اندر بھی دیکھ لیتے ہیں۔ اس مقام پر ''اناالحق'' کا نعرہ مارنے والوں کا کوئی اعتبار نہیں وہ غیر معتبر ہیں۔ شرف نے تیرے حسن و جمال کے عکس سے قلندری کا مقام پایا ہے۔ دراصل یہ دنیادار عاشق، ٹھگ باز اور ریاکار لوگ اس کے عشق کے راز سے ناواقف اور نابلد ہیں۔

غزل(35)

جمالش را نقابے بر نتابد
جمالش زا حجابے بر نتابد

بجاں بازی باو نتواں رسیدن
کہ جاں از وے خطا بے بر نتابد

چرا پروانہ گرد شمع گردد
چو ز ویک دم عتابے بر نتابد

بچشم روئے نتوانیش دیدن
کہ خفاش آفتابے بر نتابد

بگرد روئے او صد آفتاب است
کزاں کونین تابے بر نتابد

کجا مجروح تو آرام یابد
کہ چشم خستہ خوابے بر نتابد

شرف صبر و تحمل عادتے کن
کہ مقصودت شتابے بر نتابد



(35)

محبوب حقیقی کا حسن و جمال نہ تو نقاب کو برداشت کرسکتا ہے اور نہ ہی پردے کو۔ یعنی اس کا حسن و جمال نقاب اور حجاب کو جلا دیتا ہے۔

جان کی قربانی دینے سے بھی محبوب حقیقی تک نہیں پہنچا جا سکتا کیونکہ جان اس کے خطاب کو برداشت نہیں کرسکتی۔ پروانہ شمع کے اردگرد کیوں چکر لگاتا ہے جبکہ وہ ایک لمحہ بھر کیلئے شمع کے غصہ کو برداشت نہیں کرسکتا۔

چہرے کی آنکھوں سے محبوب حقیقی کو دیکھنا ممکن نہیں ہے کیونکہ چمگادڑ کی آنکھیں سورج کے نور کو برداشت نہیں کرسکتیں۔ بقول علامہ اقبالؒ

؎ ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی
ہو دید کا جو شوق تو آنکھوں کو بند کر
ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی

اس کے چہرے کے اردگرد سینکڑوں آفتاب ہیں اس لئے دونوں جہان اسے دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے۔ اے محبوب! تیرا زخمی کیسے آرام پا سکتا ہے، بھلا زخمی آنکھ کو نیند کیسے آ سکتی ہے؟

اے شرف! صبر و تحمل کی عادت کو اپنا لے کیونکہ عشق میں اتنی جلدی کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔

ع دیر آید درست آید

غزل(36)

نہ مثل قامت سروے بہ بستاں جانفزا خیزد
نہ ماہے ہمچو رخسارت بگردوں پرضیا خیزد

نہ پنداری کہ مہرت از دل عاشق رود ہرگز
چوں میرد مبتلا میرد چوں خیزد مبتلا خیزد

چوں بعد مرگ من بینی گیاہ برگو رمن رستہ
نوشتہ نام تو جاناں بہر برگ گیاہ خیزد

ازیں بالائے موزونت بلاہا خاستہ ہرسو
چنیں بالا کہ تو داری ازیں بالا بلا خیزد

دلم از گردش گردوں چناں نالد کہ درعالم
جفا بردانہ مسکیں مدام از آسیا خیزد

کسے کو بر تو شد عاشق سلامت کے برد جانش
زچشمت عشوہ ہاخیزد، ز قدت فتنہ ہا خیزد

شرف راگر تو خوں ریزی سر تسلیم خم سازد
ہرآں قطرہ کہ ازخونش چکد نقش وفا خیزد



(36)

تیرے دلکش قد کی طرح کسی باغ میں سرو بھی نہیں ہوتا اور تیرے رخسار کی طرح آسمان کا چاند بھی روشن نہیں ہوتا۔ یہ نہ سمجھنا کہ تیری محبت عاشق کے دل سے کبھی نکل جائیگی بلکہ جب بھی وہ فوت ہوگا تو تیرے عشق میں مبتلا ہوگا اور بروز قیامت جب اپنی قبر سے اٹھے گا تو اس وقت بھی تیرے عشق میں مبتلا ہوگا۔

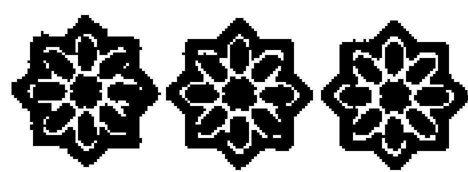
اے محبوب! میری وفات کے بعد جب تم میری قبر سے اگنے والی گھاس کو دیکھو گے تو اس کے پتے پتے پر تیرا نام لکھا ہوگا۔

تیرے اس موزون اور خوبصورت قد سے ہر طرف بلائیں ہی بلائیں اٹھ رہی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیرا قامت ایک قیامت ہے اور مجسمۂ بلا ہے۔ اس شعر میں بالا اور بلا کے الفاظ نے شعر کی فصاحت و بلاغت اور معنویت میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔

آسمان کی گردش سے میرا دل اس طرح رو رہا ہے جس طرح بیچارے دانۂ گندم پر چکی کی گردش سے ایک مسلسل بپتا اور مصیبت نازل ہوتی رہتی ہے اور وہ چکی کے اندر دو پتھروں کے درمیان پستا رہتا ہے الغرض جو بیچارہ تجھ پر عاشق ہوگیا وہ اپنی جان کو کس طرح صحیح سالم بچا کر لے جا سکتا ہے جبکہ تیری آنکھوں سے غمزے ہی غمزے اور تیرے قد سے ناز و خرام پیدا ہو رہے ہیں اگر تم شرف کو قتل بھی کر دو پھر بھی وہ سر تسلیم خم ہی رکھے گا اور اس کے خون کا ہر قطرہ جب ٹپکے گا اس سے وفا کا نقش ہی بنتا جائے گا۔

غزل(37)

پرتو اگر جمال تو برخاک افگند
ہر ذرہ نور مہر بعالم پراگند
با مدعی بگو کہ شماتت چہ می کنی
مہرے بکن کہ کینہ ز ہر سینہ برکند
لبیک عاشقی بزنم بعد مرگ نیز
خاکم زگور باز براہت پراگند
چوں یار را بجال دل ما توجہی است
مارا دل از ملامت اغیار بشکند
کس یک نظر بروئے تو کردن نمیتواں
انوار گرد روئے تو برقع ہمی تند
آنکس کہ چشم مست ترا یک نظر بدید
چندیں ہزارہ نعرۂ مستانہ می زند
باشد کہ یک نگاہ حبیب تو اے شرف
برقے بخرمن دل و جان تو افگند



(37)

اگر تیرے حسن و جمال کا عکس خاک پر پڑ جائے تو خاک کا ہر ذرہ سارے عالم میں سورج جیسا نور پھیلا دیتا ہے۔ ریا کار زاہد اور فقیری کے مدعی سے کہو کہ طعنہ زنی کیوں کرتے ہو؟ ایسی عالمگیر محبت کا مظاہرہ کرو جو ہر سینہ سے عداوت کو نکال دے۔ جی ہاں! میں تو موت کے بعد بھی عشق و عاشقی کا نعرہ ماروں گا۔ اور میرا یہ نعرہ میری خاک کو قبر سے اٹھا کر تیری گزرگاہ پر بکھیر دے گا۔ اگر اغیار کے طعنوں سے ہماری دلشکنی ہوتی ہے تو ہمیں اسکی کوئی پرواہ نہیں کیونکہ ہمارے یار کو ہم سے ہمدردی ہے اور

ع دشمن چہ کند چوں مہرباں باشد دوست

کسی شخص کیلئے تیرے چہرے پر ایک نظر کرنا ممکن ہی نہیں کیونکہ تیرے چہرے کے اردگرد تیرے انوار نے برقعہ تن رکھا ہے۔ جو شخص تیری مست آنکھوں کو ایک نظر سے دیکھ لیتا ہے وہ ہزاروں مستانہ نعرے مارنے لگ جاتا ہے۔

اے شرف! کاش کہ تیرے محبوب کی ایک نگاہ تیرے دل و جان کی خرمن میں بجلی گرا دیتی اور اسے تیری بہت بڑی خوش قسمتی سمجھا جاتا۔

غزل(38)

چون محرمان حریم تو رازہا دانند
چہ خوش بود کہ یکے زاں بگوش من خوانند

کجا کہ شرح کتاب تجشش خوانند
اگر بعلم شکیبند سخت نادانند

ز ہر دوکون چناں برفشاندہ ام دامن
کہ آستین ملامت نہ برمن افشاندند

بشر چہ حوصلہ دارد کہ بنگرد برخت
کہ قدسیاں زجمال رخ تو حیرانند

چہ مشکلے است ترا یاس را بہانہ مکن
کہ زیر چرخ مجدّر ہزار مردانند

چگونہ افتدہ چشم تو برمن مسکین
کہ صد ہزار فدائے تو از دل و جانند

کساں کہ سلسلہ باموئے تو نے دارند
ہزار سلسلۂ کفر و دیں بجنانند

چہ جذب درنظر خویش اے شرف داری
کہ از فسون تو افسانہ ہا ہمے خوانند



(38)

تیری حریم کے محرم جبکہ بہت سے رازوں کو جانتے ہیں تو یہ کتنی اچھی بات ہو گی کہ کوئی ایک آدھ راز تو وہ میرے کان میں بھی کہہ دیں۔ وہ لوگ کہاں ہیں جو محبوب حقیقی کی کتاب محبت کی شرح بیان کرتے ہیں۔ اگر وہ صرف ظاہری علم پر انحصار کریں گے تو وہ سخت نادان ہونگے۔ یعنی کتاب عشق کی شرح ظاہری علم سے ماورئ ہوتی ہے۔ میں دو جہانوں سے اس طرح بے نیاز ہو چکا ہوں کہ اب کسی کو مجھے نشانۂ ملامت بنانے کی ضرورت ہی نہیں۔ آدمی کی کیا مجال ہے کہ تیرے چہرے کو دیکھے جبکہ عالم ملکوت کی تمام قدسی ارواح تیرے چہرے کے حسن و جمال کو دیکھ کر محو حیرت ہیں۔ تجھے کونسی مشکل کا سامنا پڑ گیا ہے؟ مایوسی کو اپنا بہانہ نہ بنائیں کیونکہ ابھی اس منقش آسمان کے نیچے ہزاروں مردان راہ موجود ہیں جو تیری مشکل کو حل کر سکتے ہیں۔ اس شعر میں مجدر کا لفظ استعمال ہوا جس کا معنی ہے منقش یعنی نقش و نگار والا۔

تیری نظروں میں مجھ مسکین کی کیا اوقات ہو سکتی ہے جبکہ ہزار ہا عاشق تجھ پر اپنا دل و جان قربان کر چکے ہیں۔ جو لوگ تیری زلفوں سے وابستہ نہیں ہیں وہ کفر اور دین کی ہزاروں زنجیروں کو ہلا رہے ہیں یعنی جو لوگ تیری توحید سے وابستہ نہیں ہیں وہ ہزاروں فرقوں میں بٹ گئے ہیں۔

اے شرف! تیری نظروں میں کیا کشش ہے کہ لوگوں کی زبانوں پر تیرا ہی افسانہ ہے۔

غزل (39)

جمال منظر او روح پاک آدم شد
کز آفرینش آں ہستی دوعالم شد

تبارک اللہ آں صورت بدیع ترا است
کہ سجدہ گاہ ملک از طفیل آدم شد

درآں نفس کہ جمالش شعاع برمی زد
کمینہ پرتو آں عیسیٰ ابن مریم شد

کسانکہ بت پرستندی شناسندت
مگر بظن خیال تو کار مبہم شد

زشوخئے کہ تو داری و مستی کہ مرا است
بہر۔ دو کون بپا فتنہ ہائے پیہم شد

بیان صورت پاکت ز حد عقل گزشت
چہ جائے عقل کہ ہم روح پاک ابکم شد

ز سر قبلۂ ابروئے تو نیافت خبر
قلندرے کہ سوئے کعبۂ معظم شد

زیک خمے کہ در ابروئے تو درآوردند
ہزار کعبہ بہ پیش تو پشت درخم شد

کسے مباد ز خوباں کہ باتو لاف زند
کہ خوبئ دوجہاں مرترا مسلم شد

ہزار لمعۂ عقل و ہزار جلوۂ علم
بزیر پرتو عشق تو کمتر از کم شد

ز ادغہا کہ شرف را بدل زدی ہریک
برائے زست سلیمان عشق خاتم شد



(39)

محبوب حقیقی کے چہرے کا جمال آدم علیہ السلام کی روح پاک بن گیا جس کی تخلیق سے دونوں جہان معرض وجود میں آ گئے۔ سبحان اللہ تیری صورت کتنی نادر اور عجیب وغریب ہے کہ وہ آدم علیہ السلام کے طفیل ملائک کی سجدہ گاہ بن گئی۔

جس لمحے اس صورت کا حسن و جمال جلوہ افروز ہوتا ہے تو اس کا معمولی عکس عیسیٰ بن مریمؑ کی طرح روح اللہ ہو جاتا ہے۔ جو لوگ بت پرستی کرتے ہیں وہ بھی تجھے پہچانتے تو ہیں مگر جب وہ تیرے خیال کو اپنے وہم وگمان میں لے آتے ہیں اور اسے ایک محسوس کل دیدیتے ہیں تو ان کا عقیدہ اور نظریہ مبہم یعنی گول مول ہو کر باطل ہو جاتا ہے۔

اے محبوب! تیری شوخی اور میری مستی کی وجہ سے دونوں جہانوں میں مسلسل فتنے پیدا ہو رہے ہیں یعنی اگر تیرے حسن میں شوخی نہ ہوتی اور میرے عشق میں مستی نہ ہوتی تو پھر کسی فتنہ کے پیدا ہونے کا کوئی امکان نہ تھا۔ تیری صورت پاک کی تفصیل بیان کرنا عقل کی حد سے ماوریٰ ہے یہاں عقل بیچاری کی کیا اوقات ہے یہاں تو روح پاک بھی گونگی ہو جاتی ہے۔ یعنی روح کی قوت ناطقہ جواب دے جاتی ہے اور وہ نہیں بتا سکتی کہ میں کیا چیز ہوں اور کہاں سے آئی ہوں؟ جو قلندر عزت اور عظمت والے قبلہ کی طرف چلا وہ تیرے دونوں ابرو کے قبلہ کے راز سے ناواقف ہی رہا۔ قضا وقدر نے تیرے ابرو میں جو ایک محراب ڈالی ہے اسکی وجہ سے ہزار کعبوں نے تیرے سامنے اپنی پشت کو خم کر دیا ہے۔

کون ایسا محبوب ہے جو تیرے ہم مثل بننے کی ڈینگیں مارے جبکہ دونوں جہان کا حسن و جمال صرف تیرے لئے ہی مخصوص ہے۔ عقل کی ہزاروں روشنیاں اور علم کے ہزاروں جلوے تیرے عشق کے عکس کے مقابلہ میں کم تر سے بھی کم ہیں۔ یعنی ہیچ ہیں۔ جو داغ تو نے شرف کے دل میں داغے ہیں ان میں ہر ایک داغ عشق کے سلیمان کی نجات کیلئے خاتم سلیمانی بن گیا ہے۔

غزل(40)

اے آنکہ جلوہ گاہت جوش بہار دارد
ہرسو زمیں . زخون ما لالہ زارد ارد

معشوق و عاشق و عشق ہرسہ یکیست اینجا
چو وصل درنگنجد ہجراں چہ کار دارد

اے آنکہ ز اشتیاقت گل جام درکف آید
نرگس کشادہ چشمے در انتظار دارد

بنگر کہ عاشق تو از اشک و پارۂ دل
لعل و گہر بدامن بہر نثار دارد

بخ بخ کہ خاک مارا برآسماں رساند
رخ سوئے مرقد ماآں شہسوار دارد

آسودہ کس نگردد درپیچ و تاب غمہا
زاں گردشے کہ درخود لیل و نہار دارد

بنگر یکے شرف را کو می کشد فغانہا
و ز آتش فراقت دل شعلہ زار دارد



(40)

اے محبوب! تیری جلوہ گاہ موسم بہار کا سا جوش وخروش رکھتی ہے۔ ہر طرف ہمارے خون کی وجہ سے یہ زمین لالہ زار بن گئی ہے یعنی گل لالہ کے باغ کی طرح بالکل لال رنگ کی ہو گئی ہے۔اب یہاں پر معشوق، عاشق اور عشق تینوں ایک ہی حقیقت بن چکے ہیں۔ جہاں وصل کیلئے کوئی گنجائش نہ ہو وہاں جدائی اور ہجر کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟ یعنی جب محبوب حقیقی سے وصل ممکن ہی نہ ہو تو اسکی نقیض یعنی جدائی کیسے معرض وجود میں آ سکتی ہے۔اس شعر میں وحدت الوجود کے مسئلہ کو قلندرانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے بقول مرزا غالب

ے اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

اے محبوب! تیرے شوق میں گلاب کا پھول اپنے ہاتھ میں جام لئے ہوئے آتا ہے اور نرگس بھی تیری انتظار میں اپنی آنکھوں کو کھولے ہوئے ہے۔

واضح رہے کہ گلاب کا پھول جام سے مشابہت رکھتا ہے جبکہ نرگس آنکھ کے مشابہ ہوتی ہے لہٰذا گلاب اور جام کے الفاظ نے اسی طرح نرگس اور آنکھ کے الفاظ نے شعر کی فصاحت و بلاغت کو آسمان پر پہنچا دیا ہے۔

دیکھو تو سہی کہ تیرا عاشق آنسوؤں اور دل کے لخت لخت کی وجہ سے اپنے دامن میں تجھ پر قربان کرنے کیلئے لعل و گوہر رکھتا ہے۔ ہمارا شہسوار محبوب ہماری قبر کی طرف آ رہا ہے اور ہم خوش ہیں کہ وہ ہماری خاک کو آسمانوں پر لے جائیگا۔رات اور دن کی گردش کی وجہ سے کوئی شخص غموں کے پیچ وتاب سے نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ ذرا شرف کی طرف دیکھو تو سہی کہ یہ بیچارہ کس طرح گریہ وزاری کر رہا ہے اور تیرے فراق کی آگ سے اس کا دل شعلہ زار یعنی آگ کا گھر بن چکا ہے۔

ذ

غزل(41)

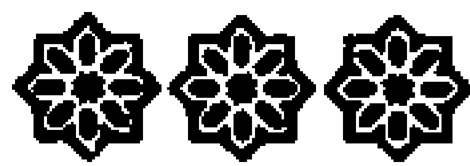
بوسۂ لعل لبت اے دلربا باشد لذیذ
شربت وصلت مگر بے انتہا باشد لذیذ

پر حلاوت اہل جنت رابود کوثر مگر
در مذاق عاشقاں تو کجا باشد لذیذ

چوں بہ بخشی شربت دیدار مارا، آگہی
شربت مرگ، اے پریرو! نزد ما باشد لذیذ

تلخ کامم از فراقے آنکہ جویم وصل او
کے بکامم جرعۂ آب بقا باشد لذیذ

ہمنشیں! شعر شرفؔ بشنو کہ ازمستی عشق
شعر اوہم چوں شراب غم ربا باشد لذیذ



(41)

اے دلربا! تیرے لبوں کے لعل کا بوسہ اگرچہ لذیذ ہے مگر تیرے وصل کا شربت بے انتہا لذیذ ہوتا ہے۔ بہشت والوں کو اگرچہ حوض کوثر بڑا میٹھا لگتا ہے مگر تیرے عشاق کے ذوق کی تسکین اس سے نہیں ہوتی۔ چونکہ تو ہمیں اپنے دیدار کا شربت بعد از مرگ عطا فرمائے گا اس لئے اے پری کے چہرے والے محبوب! تو آگاہ ہے کہ اسی لئے ہمارے لئے موت کا شربت بہت ہی لذت بخش ہے۔

چونکہ محبوب کی جدائی سے میرا ذائقہ تلخ اور کڑوا ہو چکا ہے اس لئے میں اس کا وصال چاہتا ہوں لہٰذا میرے حلق کو زندگی بخشنے والے پانی یعنی آب حیات سے لذت حاصل نہیں ہو سکتی۔

اے دوست! شرف کے شعر کو سنو کیونکہ اس کے اشعار عشق کی مستی کی وجہ سے غم دور کرنے والی شراب کی طرح لذت بخش ہیں۔

ر

غزل(42)

خویشتن کردم فرامش تا بدیدم روئے یار
مست می گردم بہرسو از جمال آں نگار
من چوں ہر سو بنگرم جز وے نہ بینم ذرۂ
نزد من یکساں بود ہر مومن و زنار دار
نئے مرا بیم از عذاب و نئے امیدے از ثواب
خواہ درجنت بدار و خواہ در دوزخ سپار
جنت من روئے یارو دوری ازوے دوزخے
وصل او باشد. چو نور و ہجراو باشد چوں نار
کئے بود دلبستگی مارا بچیزے سے غیرازو
درنگاہ ما دوعالم ہست مشتے ازغبار
تو عطاہای کنی و من خطاہای کنم
چوں گناہان من آمد رحمت تو بے شمار
غافلے بدا چشم دل چوں واشد اندر چشم او
جلوۂ وحدت شد از جلباب کثرت آشکار
عشق را آساں شمردی غافلی از وسعتش
گر بہ امعان بنگری بحریست ناپیدا کنار
بوعلی دردم شود نظم جہاں زیروزبر
نعرۂ گر برزنم درعشق او مستانہ وار



(42)

جب میں نے اپنے آپ کو فراموش کر دیا یعنی جب میں نے اپنے وجود کی نفی کر دی تب مجھے یار کا چہرہ دیکھنا نصیب ہوا۔ اس محبوب کے حسن و جمال سے مست ہو کر میں ہر طرف گردش کر رہا ہوں۔ میں جس طرف بھی دیکھتا ہوں مجھے محبوب کے بغیر کوئی ایک ذرہ بھی نظر نہیں آتا یعنی

؎ جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

میرے نزدیک مومن اور زنار (جنیو) باندھنے والا کافر برابر ہیں۔ نہ مجھے عذاب کا خوف ہے اور نہ مجھے ثواب کی امید ہے خواہ تو مجھے جنت میں رکھے یا دوزخ کے سپرد کرے۔ میں تو صرف تیری رضا چاہتا ہوں مجھے دوزخ یا جنت سے کوئی غرض نہیں۔ محبوب کا چہرہ میرے لئے جنت ہے اور اس سے دوری میرے لئے دوزخ ہے۔ اس کا وصال میرے لئے نور کی طرح ہے اور اس کی جدائی میرے لئے نار دوزخ کی مانند ہے۔

ہمارے دل کو محبوب حقیقی کے بغیر اور کسی چیز سے سکون حاصل نہیں ہوتا۔ ہماری نگاہوں میں دونوں جہان ایک مشت غبار کی حیثیت رکھتے ہیں ہم انہیں پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتے۔

اے اللہ! تو نوازش پہ نوازش کرتا ہے اور میں گناہ پر گناہ کئے جا رہا ہوں۔ گویا میرے گناہوں کی طرح تیری رحمت بھی بے شمار ہے۔

جب کسی ناواقف شخص کے دل کی آنکھ بینا ہو گئی تو اس کی آنکھوں میں وحدت کا جلوہ کثرت کی چادر سے آشکارا ہو گیا۔ اس شعر میں قلندرانہ انداز میں وحدت در کثرت اور کثرت در وحدت کو بیان کیا گیا ہے۔

اے مخاطب! تم عشق کو آسان کام سمجھتے ہو تم اس کی وسعت سے ناواقف ہو جب تم گہری نظر سے دیکھو گے تو تمہیں پتہ چل جائیگا کہ عشق تو ایک ناپیدا کنار سمندر ہے۔

اے بوعلی! اگر میں اس کے عشق میں مستوں کی طرح ایک نعرہ ماروں تو سارے جہان کا نظم و نسق زیر و زبر اور درہم برہم ہو جائیگا۔

غزل(43)

ہم از جمال تو برخاست شعلہ شعلۂ طور
ہم از نقاب تو جوشید چشمہ چشمۂ نور

چوں ذوق وصل تو یابم برقص می آیم
کہ نیست لذت ایں گو نہ درشراب طہور

درانتظار تجلی وحدتیم از دیر
نقاب کثرت از رخ کش ونمائی ظہور

ز پردۂ رخ شاں من خدا ہمی نگرم
دلم زجلوۂ روئے بتاں مباد صبور

مرا بہ سنگ مزن زاہدا کہ سینۂ من
برنگ سینۂ سنگ است از شرر معمور

تو جلوہ کردی واز دست خویشتن رفتم
کجااست صبروشکیب و کجااست عقل و شعور

بترس از نگہ قہر او و دم درکش
بزہد و طاعت خود زاہدا مشو مغرور

شرف تو چشم مبند و بہرطرف بنگر
کہ روئے او نتواں شد بہ پردۂ مستور



(43)

کوہ طور تیرے حسن و جمال سے آگ کے شعلے ہی شعلے بن گیا اور تیرے نقاب سے انوار کے چشمے ہی چشمے ابل پڑے۔ جب میں تیرے وصال کی لذت سے لطف اندوز ہوتا ہوں تو پھر رقص کرنے لگ جاتا ہوں کیونکہ ایسی پرلطف لذت تو شراب طہور میں بھی نہیں پائی جاتی۔ ہم کافی دیر سے تیری وحدت کی تجلی کے منتظر ہیں تو اپنے چہرے سے کثرت کا نقاب اتار دے اور ہمیں اپنا دیدار کرا دے۔

میں کثرت کے چہرے کے پردے میں بھی خدا کو دیکھتا ہوں۔ خدا کرے کہ محبوبوں کے چہروں کا حسن دیکھنے کیلئے میں بے صبر ہی بنا رہوں۔

اے زاہد! مجھے دیوانہ سمجھ کر پتھر نہ مارو کیونکہ میرا سینہ بھی پتھر کے سینہ کی طرح آگ کی چنگاریوں سے بھرا ہوا ہے۔ یعنی میرے سینے کے اندر بھی عشق کی آگ کی چنگاریاں بھری ہوئی ہیں۔ تو نے اپنا جلوہ دکھا کر مجھے بیخود کر دیا ہے اب مجھ میں صبر و شکیب اور عقل و شعور کہاں ہے؟ اے خشک زاہد! اپنی ریاکارانہ زہد اور طاعت پر مغرور نہ ہو۔ خدا کی قہر آلود نگاہوں سے ڈرو اور خاموش رہو۔ اے شرف! اپنی آنکھوں کو بند نہ کرو اور ہر طرف دیکھو تو سہی کہ محبوب حقیقی کا چہرہ پردوں میں بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔

غزل(44)

اندر جہاں ہرکس بود محو تماشائے دگر
مارا بجز دیدار تو بنود تمنائے دگر

جز کوئے یار مہرباں ہرگز نمے گیریم جا
ہرگز نباشد دلکشا درپیش ما جائے دگر

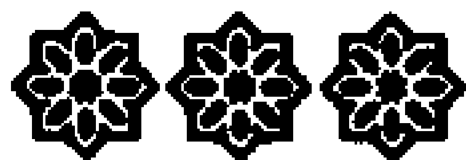
جولانگہ دیوانہ ات باشد ورائے دوجہاں
مجنوں ندارد درنظر جز نجد صحرائے دگر

زاہد! تو ازراہ ریا حور جناں را دل دہی
باشد مرا شام و سحر میل دل آرائے دگر

زاہد! لبت از بادۂ فردوس خواہی ترشود
من مست باشم روزوشب از ذوق صہبائے دگر

من از ازل بنہادہ ام سر برخط فرمان تو
رائے تو باشد رائے من بنود مرا رائے دگر

برقع ز رویت برفگن یک جلوہ کن بربوعلی
تادرجہاں باز افگند از عشق غوغائے دگر



(44)

زمانے میں ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق کسی نہ کسی دل لگی اور دلچسپی میں محو ہوتا ہے لیکن ہمارے دل میں تیرے دیدار کے بغیر اور کوئی تمنا نہیں ہے۔ ہمیں اپنے مہربان محبوب کے کوچہ کے بغیر اور کہیں سکون نہیں ملتا اور ہمارے نزدیک کوئی دوسری جگہ دل کو فرحت بخشنے والی نہیں ہے۔

تیرے دیوانہ کی سیرگاہ دونوں جہانوں سے ماورئی ہے کیونکہ مجنوں کو صحرائے نجد کے علاوہ کوئی اور صحرا پسند نہیں ہوتا (کیونکہ لیلیٰ کا تعلق صحرائے نجد سے تھا)

اے زاہد! تم ریاکاری کی وجہ سے جنت کی حوروں کو دل دے بیٹھے ہو یعنی حوریں حاصل کرنے کیلئے زہد و ریاضت کر رہے ہو لیکن ہمارے دل میں صبح و شام کسی اور دلآویز محبوب کی محبت موجزن رہتی ہے۔

اے زاہد! تم چاہتے ہو کہ تیرے لب بہشتوں کی شراب سے تر ہوں لیکن میں رات دن ایک اور خالص شراب کی لذت میں مست رہتا ہوں۔

فائدہ:۔ لغوی اعتبار سے سفید انگور کی شراب کو صہبا کہتے ہیں لیکن اس شعر میں یہ لفظ شراب حقیقت اور شراب معرفت سے استعارہ ہے۔

میں نے روز ازل سے ہی تیرے خط فرمان کے آگے سر تسلیم خم کیا ہوا ہے جو رائے تیری وہی رائے میری ہے اور تیری رائے کے علاوہ میری اور کوئی رائے نہیں ہے یعنی

؎ مرضئے مولا از ہمہ اولیٰ

اپنے چہرہ سے برقعہ اٹھا دو اور بوعلی کو اپنا جلوہ دکھا دو تا کہ یہ بیچارہ پھر زمانے میں تیرے عشق کی بدولت ایک نیا غلغلہ اور شور برپا کر دے۔

غزل(45)

یکے تو پردہ برافگن ز روئے پرتنویر
کہ تاجوان شود تازہ باز عالم پیر

نگاہ قہر تو ارض و فلک دہد برباد
نگاہ مہر تو کونین را کند تسخیر

بذرۂ چو منے جلوہ گر کنی چہ عجب
کہ نور روئے تو باشد چو مہر عالمگیر

قلندریم و بہرجائے می کنیم گزر
چوں موج بحر نباشیم پائے درزنجیر

بسنگ پارہ چو بینند لعل پارہ کنند
مسلم اہل نظر است درنظر تاثیر

بحیرتم کہ چرا ذکر حور و غلمان است
جہاں زحسن تو گردید عالم تصویر

مرا نظیر نیابی تو ہم بعالم عشق
نیافتم چوں ترا درجہان حسن نظیر

ظہور می کنی از زلف تو شب یلدا
طلوع می کند از رویت آفتاب منیر

مگر تو بند قبا را کشادۂ سحرے
معطر است مشام جہاں سوئے عبیر

بخیز و تیغ بیاویز و خون بندہ بریز
کہ خون من نشود روز حشر دامنگیر

اگر نماز نیارم گناہ من چہ بود
کہ محو نشوان کردن نوشتۂ تقدیر

شرف تو چوں تمیزی ز عالم ناسوت
کہ طینت تو بہ لاہوت کردہ اندخمیر

(45)

تو اپنے نورانی چہرے سے پردہ الٹا دے تا کہ یہ بوڑھا جہان پھر از سر نو جوان ہو جائے۔ حافظ شیراز نے اس تخیل کو یوں بیان فرمایا ہے

؎ گرچہ پیرم تو شبے تنگ در آغوشم گیر
کہ سحرگاہ زکنار تو جواں برخیزم

یعنی اگرچہ میں بوڑھا ہوں تاہم اگر تو مجھے صرف ایک رات اپنی آغوش میں لیکر بھینچ دے تو صبح کو میں تیری آغوش سے جوان ہو کر اٹھونگا۔

تیری قہر کی نگاہ آسمان اور زمین کو برباد کر کے رکھ دیتی ہے جبکہ تیری محبت کی ایک ہی نگاہ دونوں جہان کو اپنا مسخر کر لیتی ہے۔

مجھ جیسے ذرۂ بے مقدار کو اگر اپنا جلوہ دکھا دو تو اس میں کیا تعجب ہے؟ کیونکہ تیرے چہرے کا نور سورج کی طرح سارے عالم پر چھا جاتا ہے۔ ہم قلندر ہیں اور ہر جگہ چلے جاتے ہیں۔ اور دریا کی موج کی طرح ہمارے پاؤں میں کوئی زنجیر نہیں ہوتی یعنی قلندر دریا کی موج کی طرح کسی جگہ پابند نہیں ہوتے:۔

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

جب وہ کسی پتھر کو دیکھتے ہیں کہ اس میں لعل پوشیدہ ہے تو وہ اسے توڑ کر اس میں سے لعل نکال لیتے ہیں۔ اہل نظر کی نظروں میں تاثیر کا ہونا ایک تسلیم شدہ امر ہے۔

مجھے اس بات پر بڑی حیرت ہے کہ دنیا میں حور و غلماں کا کیوں ذکر ہوتا رہتا ہے؟ جبکہ تیرے حسن کی وجہ سے تمام عالم ایک تصویر خانہ بن گیا ہے۔

جس طرح حسن کے جہان میں قطعاً اور بالکل تیری کوئی نظیر اور مثال نہیں ہے اسی طرح عشق کے جہان میں تجھے میری بھی کوئی مثال نہیں ملے گی۔ تیری سیاہ زلفوں سے ہی جاڑے کی سیاہ اور لمبی رات (جسے شب یلدا ۔ ۔ ۔ کہتے ہیں) ظاہر ہوتی ہے اور تیرے چہرے کے حسن سے پرنور آفتاب طلوع ہوتا ہے۔

شاید تو نے سحری کے وقت اپنی قبا کا بٹن کھولا ہے کہ تمام جہان کا دماغ عنبر اور کستوری

کی خوشبو سے معطر ہو گیا ہے۔ اٹھو اور تلوار کو سونت کر مجھ غلام کا خون بہا دو کیونکہ قیامت کے دن یعنی مکافات کے دن میرا خون اپنا بدلہ لینے کیلئے مدعی نہیں بنے گا۔ بقول شاعر:

ہم وہ نہیں کہ کریں خون کا دعوی تم پر
پوچھے گا خدا بھی تو مکر جائیں گے ہم

اگر میں نماز ادا نہ کر سکوں تو اس میں میرا کیا گناہ ہے؟ کیونکہ تقدیر کے لکھے کو مٹایا نہیں جا سکتا۔ اس تخیل کو امیر خسروؒ نے اس طرح بیان کیا ہے۔

ما سر فدائے خنجر تسلیم کردہ ایم
خواہی بہ بخش خواہ بکش رائے رائے تست

یعنی نوشتۂ تقدیر کے آگے سر تسلیم خم کر دینا چاہیئے۔ (فافہم)

اے شرف! تو عالم ناسوت سے بہر صورت چلا جائیگا کیونکہ تیرا خمیر عالم لاہوت سے اٹھایا گیا ہے۔

غزل (46)

گر حذر می کردے از عشقت اے سلطان پسر
بود ے رندے و قلاشے زقسمت کو مفر؟
حجت عشقت قیاس عقل را بیہودہ خواند
چوں یدبیضا نماید ے نہ برتابد شرر
چوں جمال تو صدائے "لن ترانی" می زند
نیست اندر وادیٔ "ارنی" مرا راہ گزر
تو ہمی گوئی "الست" من ہمی گویم "بلیٰ"
برخط فرمان تو بنہادہ ام زینگو نہ سر
عشق تو آوازۂ "انی انا اللہ" می زند
جان من "انی انا المعبود" می گوید مگر
گرزیم از وصل تو پس فارغم از ہر غمے
وربمیرم درغمت پس ایمنم از ہرخطر
جاں برویت دل ببازد دل بمویت جاں دہد
رو وَ مو وَ تو بود ازجان و دل محبوب تر
تاکنم حسن ترا محفوظ از چشم بداں
عقل من آمد سپند و عشق تو آمد شرر
عشق چوں شمع فروزاں عقل چوں پروانۂ
چوں رود پروانہ نزد شمع می یابد ضرر
ہستیٔ ما می شود چوں ذرہ رقصاں ازطرب
آفتاب حسن تو چوں می نماید جلوہ گر

از جمال مہر تو گردد عزازیل آدمی
واز جلال قہر تو آدم عزازیل دگر
ہستیئم موہوم باشد چوں نیائی درظہور
ذرہ بر خورشید تاباں شد گواہے معتبر
ما زبان تیغ آں دلدار را نازیم کاں
قصۂ عمر دراز ما نماید مختصر
موسیٰ از یک نخل طور از خویشتن رفست ومن
روزوشب بینم ہماں آتش میان ہر شجر
درخرافات قلندر ہم بود اسرار حق
موج عماں باخس و خاشاک می آرد گہر
اندر آنہا ماندہ پیران زماں واماندہ تر
آں مقاماتے کہ درطفلی نمودم بے سپر
خرمن جان ودلے تاں زود خاکستر شود
می تپد برق تجلی اے جواناں الحذر
تاج بر سر می نہد ازخاک راہت ہرگدا
تاج از سرمی نہد درکوئے تو ہرتاجور
کے روم برراہ گزارت گرشتابم کو بکو؟
کے شوم برآستانت گر بگردم دربدر؟
صدخیال خام دنیادارے بندد بہ دل
چوں بفانوس خیالی می کند گردش صور
آنکہ ماند درخودی ہرگز نباشد باخدا
آنکہ دریابد خدارا ازخودی شد بے خبر

نے خوشی او راتجباند نہ رنجاند غمے
ہرکہ بشناسد کہ آید ازقضا ایں خیروشر
صلح کل می باش و فارغ از غم دنیا نشیں
بے خطر باشد بعالم گرشود بے شر، بشر
ازتمنا دست شو تا کام دل حاصل کنی
چیست جز حرمان و غم نخل تمنا را ثمر
ہیچ می دانی کہ باشد حرص دنیا راچہ رنگ
آنکہ می باشد بصیر او را نماید بے بصر
چوں جنون عشقت آمد عقل مارا در ربود
گرچہ می بودیم مایاں مرد میدان ہنر
آفتاب وحدتش درجلوہ باز آید مگر
منتشر شد ظلمت کثرت بعالم سربسر
جلوۂ خونریز تو خواہد کہ بارد ابر تیغ
غرق در دریائے خوں مارا نماید درکمر
مہرتو می جویم و از قہر تو در لرزہ ام
نےئے مرا پروائے جنت نےئے مرا خوف دگر
بوعلؔی را عشق تو ہر دم بہ حال نوبود
گاہ بستہ کشتہ گاہ زیر و گہہ زبر



(46)

اے شہزادے! اگر میں تیرے عشق سے پرہیز کرتا تو پھر میں رند ہوتا اور قلاش یعنی مفلس ونادار ہوتا۔ لیکن تقدیر سے مفر نہیں ہے۔ اور تقدیر نہیں ٹلتی۔

فائدہ:۔ اس شعر میں حضرت بوعلی قلندرؒ نے پسر سلطان کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کا ترجمہ ہم نے شہزادہ کیا ہے دراصل یہ لفظ محبوب حقیقی کے جلوہ سے استعارہ ہے (فافہم)

تیرے عشق کی دلیل نے عقل کے ظن وقیاس کو باطل قرار دیدیا۔ (دیکھئے) جب ید بیضا یعنی موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ روشن ہوتا تھا تو وہاں کوئی آگ کی چنگاری موجود نہیں ہوتی تھی، جب تیرا حسن و جمال 'لن ترانی'' کی آواز بلند کردیتا ہے تو پھر ''ادنی'' کی وادی میں میرا گزر نہیں ہوتا یعنی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آواز آتی ہے کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا تو پھر میں محتاط ہو جاتا ہوں یعنی پھر میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ اے اللہ مجھے ضرور اپنا دیدار کرا۔ اے اللہ! تو جب ''الست بربکم'' (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) کہتا ہے تو میں اس کے جواب میں ''بلیٰ'' (ہاں جی) کہتا ہوں لہٰذا میں نے تیرے فرمان کے خط کی تعمیل کردی ہے۔ تیرا عشق ''انی انا اللہ'' (بیشک میں خدا ہوں) کی آواز بلند کرتا ہے مگر اس وقت میری جان یعنی میری روح ''انی انا المعبود'' (بیشک میں معبود ہوں) کہنے لگ جاتی ہے۔ کیونکہ روح اللہ تعالیٰ کے امر میں سے ہے۔ جب تیرا وصل ہی میرے لئے زندگی ہے تو پھر مجھے غم کس بات کا؟ اور اگر میں تیرے غم میں مر جاؤں تو پھر ہر خطرے سے مامون اور بے فکر ہوں۔ میری جان تیرے چہرے پر اپنا دل قربان کرتی ہے اور میرا دل تیری زلفوں پر اپنی جان قربان کرتا ہے۔ تیرا چہرہ اور تیری زلفیں اور تو مجھے اپنی جان ودل سے زیادہ محبوب ہیں۔ میری عقل حرمل کی طرح ہے اور تیرا عشق آگ کی چنگاری ہے اور میں نے عشق کی آگ پر اپنے عقل کی حرمل کو اس لئے جلا دیا ہے تا کہ تیرے حسن کو نظر بد لگنے سے بچالوں۔

عشق روشن شمع کی طرح ہے اور عقل پروانے کی مانند ہے۔ اور جب بھی پروانہ شمع کے پاس جاتا ہے تو اسے ضرور تکلیف پہنچتی ہے۔ جب تیرے حسن کا آفتاب جلوہ گر ہوتا ہے تو ہماری زندگی ذرے کی طرح خوشی سے رقص کرنے لگ جاتی ہے۔ تیری محبت کی جمالیاتی تاثیر سے

شیطان بھی آدمی بن جاتا ہے۔ جبکہ تیرے قہر کے جلال سے آدمی ایک اور شیطان بن جاتا ہے۔
جب تو ظاہر نہیں ہوتا تو میرا وجود بھی موہوم اور غیر یقینی ہو جاتا ہے کیونکہ ذرے کا وجود چمکدار سورج کے وجود پر ایک معتبر گواہ کی حیثیت رکھتا ہے جو ہماری عمر دراز کے قصہ کو مختصر کر دیتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کوہ طور کے ایک درخت کے نظارہ سے از خود رفتہ اور بے خود ہو گئے تھے جبکہ میں وہی نظارہ ہر دن اور ہر رات میں ہر درخت کے اندر دیکھ رہا ہوں۔

قلندر کی خرافات میں بھی اسرار حق پوشیدہ ہوتے ہیں جس طرح کہ دریا کی موج خس و خاشاک کے ساتھ موتیوں کو بھی باہر نکال لیتی ہے۔ ہم نے وہ مقامات بچپن میں واشگاف اور بے پردہ دیکھ لئے تھے جن میں آج کل کے زمانے کے پیر اور مشائخ عاجز پڑے ہوئے ہیں۔

اے نوجوانو! برق تجلی بڑے جوش کے ساتھ کوندری ہے۔ الحذر۔ ذرا دھیان رکھنا۔ تمہارے دل اور جان کی خرمن آناً فاناً جل کر راکھ ہو جائیگی۔ ہر گدا گر تیرے راستہ کی خاک کا تاج اپنے سر پر سجاتا ہے اور ہر تاج والا بادشاہ تیرے کوچے میں اپنے سر سے تاج کو اتار دیتا ہے۔ اگر میں ہر کوچہ اور ہر گلی میں یونہی جلدی جلدی گشت کرونگا تو پھر میں تیری راہگزر پر کس طرح پہنچ سکونگا؟ اور اگر میں در بدر گردش کرتا رہونگا تو تیرے آستانہ پر کیسے پہنچونگا؟

ع یک در بگیر و محکم بگیر

بقول شاعر:۔

دو رنگی چھوڑ کر یک رنگ ہو جا
سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

ایک دنیادار آدمی اپنے دل میں سینکڑوں خیالی پلاؤ پکاتا رہتا ہے۔ اسکی مثال اس خیالی فانوس کی طرح ہے جس میں مختلف خیالی تصویریں گردش کرتی رہتی ہیں جو آدمی ذرا سا بھی اپنی خودی کے اندر رہے گا وہ کبھی باخدا نہیں ہو سکتا اور جو آدمی خدا کو پالیتا ہے وہ اپنی خودی اور انانیت کو خیرباد کہہ دیتا ہے۔

جو شخص اس حقیقت کو جان لیتا ہے کہ ہر طرح کی اچھائی اور برائی نوشتۂ تقدیر کے مطابق ہی آتی ہے تو اسے نہ تو کوئی خوشی آپے سے باہر کر سکتی ہے اور نہ ہی اسے کوئی غم پریشان کر سکتا ہے۔ اے قلندر! ہر ایک سے صلح رکھنے والے بن جاؤ اور اس طرح دنیا کے غموں سے آزاد ہو جاؤ۔ بقول حافظ شیراز:۔

؎ مباش درپے آزار و ہرچہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیرازیں گناہے نیست

جب کوئی بشر بغیر شر کے ہو جاتا ہے تو پھر دنیا میں اسے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ اس شعر میں بشر اور بے شر کے الفاظ نے فصاحت و بلاغت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ ہر قسم کی تمنا سے بے نیاز اور فارغ ہو جاؤ تا کہ دل کا مقصد حاصل کر سکو۔ تمنا کے درخت کا پھل محرومی اور غم کے سوا اور کوئی نہیں ہوتا۔

کیا تم جانتے ہو کہ دنیا کے حرص کا کیا رنگ ہوتا ہے؟ (یعنی حرص کے تینوں حروف بے نقطہ ہیں)

حریص کی نظروں میں بصیر (دیکھنے والا خدا) بھی بے بصر (نہ دیکھنے والا) دکھائی دیتا ہے۔ بصیر اور بے بصر کے الفاظ فصاحت و بلاغت کی جان ہیں۔

اے اللہ! جب تیرے عشق کی دیوانگی آ گئی تو وہ ہماری عقل کو اڑا کر لے گئی اگرچہ ہم اس سے پہلے مرد میدان تھے اور صاحب ہنر تھے۔ تمام عالم میں کثرت کی تاریکی مکمل طور پر پھیل گئی ہے۔ شاید اسکی وحدت کا سورج دوبارہ جلوہ فرما ہو جائے۔ اس شعر میں وحدت و کثرت کے مسئلہ کو انوکھے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

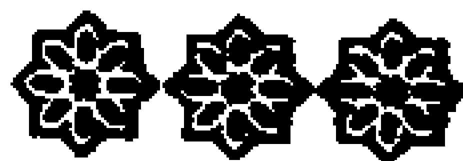
تیرا خونریز جلوہ تو یہ چاہتا ہے کہ اب تلوار کا بادل اتنے زور سے برسے کہ وہ ہمیں خون کے دریا میں کمر تک ڈبو دے۔ اے اللہ! میں تیری محبت کا متلاشی ہوں اور تیرے قہر سے لرزہ براندام ہوں۔

نہ تو مجھے جنت کی پرواہ ہے اور نہ ہی مجھے کوئی اور خوف ہے۔ تیرا عشق بوعلی کو ہر لحظہ ایک نئے سے نئے حال میں رکھتا ہے۔ کبھی وہ پابند اور بندھا ہوا ہوتا ہے اور کبھی کشتہ (شہید) ہوتا ہے۔ کبھی تہ زمین چلا جاتا ہے اور کبھی آسمان کے اوپر پہنچ جاتا ہے۔

ز

غزل(47)

چوں پائے شوق نداری براہ دوست متاز
کہ ہست دررہ الفت بسے نشیب و فراز
سرور و شاہد و ساقی نہاں نے ماند
کہ شمع پردہ درد، صبح می شود غماز
مرا کہ شاہد سرمست و ساقی رعنا است
حقیقت است ہمہ واردات راہ مجاز
چوں حسنِ شاہد مارا نہایتے نبود
بعشق ماہمہ انجام می شود آغاز
زجام چوں کف ساقی تہی نے گردد
کجا دماغ لطیفم ز مستی آید باز
شب است و شمع و شراب است لیکن اے ساقی!
زعکس روئے توترسم کہ روز گردد باز
تو گر براہ حقیقت نے نمائی رو
چہ حاصل است ز روزہ چہ منفعت ز نماز؟
مرا کہ قبلۂ ابروئے تست پیش نظر
بہ مسجدے نہ شتابم نہ روکنم بہ حجاز
ابوعلی دم توحید کہ زنی ہشدار
چوں زاہدان ریائی بزہد خویش مناز
قبائے عشق کہ برقامت شرف دوزند
بدامنش زسباب و ملامت است طراز



(47)

جب تم عشق کی راہ پر چلنے والے پاؤں نہیں رکھتے تو پھر محبوب کے پاس جانے والے راستہ پر مت چلو۔ کیونکہ الفت کے راستہ میں بڑے نشیب وفراز آتے ہیں۔ عشق کی مستی، معشوق اور ساقی پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔ ایک تو شمع ان کا پردہ فاش کردیتی ہے دوسرے صبح کی روشنی بھی انہیں ظاہر کردیتی ہے۔

چونکہ میرا محبوب مست ہے اور میرا ساقی خوبصورت ہے اس لئے مجاز کے راستہ کی تمام واردات حقیقت کا روپ دھار لیتی ہیں۔

چونکہ ہمارے معشوق کے حسن کی کوئی انتہا نہیں ہے اس لئے ہمارے عشق کی انتہائی منزل بھی ابتدائی منزل بن جاتی ہے۔ ہمارے ساقی کی ہتھیلی جام سے کبھی خالی نہیں ہوتی یعنی ہمارا ساقی فیاض اور سخی ہے اس لئے میرا لطیف دماغ مستی سے باز نہیں آتا۔

رات بھی ہے شمع بھی ہے اور شراب بھی ہے لیکن اے ساقی! مجھے خدشہ اس امر کا ہے کہ تیرے چہرۂ انور کے عکس سے کہیں دن نہ ہو جائے۔ اگر تم حقیقت کے راستہ پر چلنے والے کو اپنا منہ نہیں دکھاتے تو پھر روزے کا کیا ماحصل ہے اور نماز کا کیا فائدہ ہے چونکہ تیرے ابرو کا قبلہ ہمیشہ میرے پیش نظر رہتا ہے اس لئے نہ میں مسجد کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں اور نہ حجاز کی طرف جانے کا پروگرام بناتا ہوں۔ ابوعلی! تم جو توحید کا دم بھرتے ہو ذرا ہوش سے کام لو۔ ریاکار زاہدوں کی طرح اپنے زہد پر نازاں نہ ہو اور غرور نہ کرو۔

غزل(48)

درلابہ ام گذشت بہ پیشت شب دراز
لیکن مرا بوصل نہ کردی تو سرفراز
عجزونیاز شیوہ کن و راستباز باش
شاید درحقیقت بر تو کنند باز
بے نرد بان چومی نرسی برفراز بام
پس طالب حقیقت شواز رہ مجاز
پروانہ وار مردن تو نیست خوب تر
باید چوں شمع شغل تو ہم سوز وہم گداز
پروائے طعن واعظ و زاہد نمی کنم
کردم بسوئے قبلۂ ابروئے تو نماز
شغل تو ہست گرستم وجور و سرکشی
کارِمن است پیش تو ہم عجزو ہم نیاز
گر بوعلی بکون و مکاں ملتفت شدے
جز روئے دوست از ہمہ می کرد احتراز



(48)

یہ لمبی رات مجھے تیری خوشامد اور مداہنت کرنے میں گزر گئی لیکن تو نے مجھے اپنے وصال کی دولت سے سرفراز نہ فرمایا۔ ہمیشہ عاجزی اور نیاز کے طریقے کو اپناؤ اور راستباز بنو۔ شاید قضاوقدر تم پر حقیقت کے دروازہ کو کھول دیں۔ جب تم بالائی منزل پر بغیر سیڑھی کے نہیں پہنچ سکتے تو تمہیں مجاز کے راستہ سے حقیقت کا طالب ہونا چاہئے۔ پروانہ کی طرح آگ پر جل کر مر جانا تیرے لئے زیادہ اچھا نہیں ہے بلکہ شمع کی طرح مسلسل سوز و گداز ہی تیرا کام ہونا چاہئے۔

میں واعظ اور خشک زاہد کے طعنوں کی پرواہ نہیں کرتا اس لئے میں نے تیرے ابرو کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی ہے۔ اگر تیرا کام جور و جفا اور ظلم و غرور کرنا ہے تو میرا کام تیرے سامنے عاجزی کرنا اور لجاجت کرنا ہے۔

بالفرض اگر بوعلی کون و مکان میں دلچسپی لیتا ہے تو پھر بھی وہ محبوب حقیقی کے چہرے کو دیکھنے کے علاوہ دنیا کی ہر چیز سے الگ تھلگ ہی رہتا۔

غزل(49)

مستم از بادۂ الست ہنوز
ساغر من پر از مَی است ہنوز

رفتہ از جائے پائے بوالہوساں
من بعشق تو پائے بست ہنوز

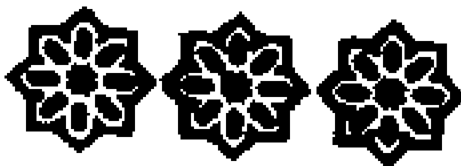
زانکہ از دیر ہم تو جلوہ گری
مرد مانند بت پرست ہنوز

غافل از خودشدی مگر زاہد
منکرے زاں نگاہ مست ہنوز

رفت بر عرش تا باو نرسید
کہ فغان من است پست ہنوز

خاک رہ گشتم و بہ بادشدم
دامنش نآمدم بدست ہنوز

بوعلی گرچہ شد دلم غربال
ہست انگشت او بہ شست ہنوز



(49)

میں ابھی تک شراب الست سے مست ہوں اور میرا جام ابھی تک شراب معرفت سے بھرا ہوا ہے۔ ہوس پرستوں کا پاؤں اپنی جگہ سے پھسل گیا ہے لیکن میں ابھی تک تیرے عشق میں اپنے پاؤں پر پکا کھڑا ہوں یعنی میرے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہیں آئی۔ اگلے شعر میں دل کو جو اللہ کا گھر ہے بت خانہ کہا گیا ہے۔ چونکہ تو بت خانہ سے بھی جلوہ گری فرما رہا ہے اس لئے ابھی تک بت پرست موجود ہیں۔

اے زاہد! شاید تم ابھی تک اپنے آپ سے غافل ہو۔ شاید اسی لئے تم ابھی تک ان مست نگاہوں کو نہیں پہچان سکے ہو۔

گو کہ میری فریاد عرش تک پہنچ گئی مگر پھر بھی وہ میرے محبوب تک نہ پہنچ سکی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک میری فریاد پست ہے۔

میں راستہ کی خاک بنا اور پھر خاک بن کر ہوا میں اڑ گیا اس کے باوجود محبوب کا دامن میرے ہاتھوں نہ لگ سکا۔ اور میں اس کے دامن کی گرد و غبار تک نہ بن سکا۔

اے بوعلی! اگرچہ میرا دل چھلنی چھلنی ہو چکا ہے اس کے باوجود ابھی تک میرے محبوب نے میرے دل کو نشانہ بنانے کیلئے شست باندھ رکھی ہے اور اس کا ہاتھ ابھی تک کمان کے چلے پر ہی ہے۔

س

غزل(50)

شیخ! درعشق الٰہی وجد می کن یک نفس
اشتر بے عقل ہم می رقصد از بانگ جرس

چوں بیامد عشق، عقل از سر ہمی تا زدبروں
کے شتابد دررہ عشق تو عقلم را فرس

ہم صفیران مراکس درچمن گوید زمن
ہمچو مرغ نو گرفتارم تپاں اندر قفس

علم وعقلم را فروغ جلوۂ روئے تو سوخت
ہمچناں کزشعلۂ آتش بسوزد خاروخس

گر تو شوق نغمہ داری بشنو ایں فریاد من
ایں چنیں دلکش نمی باشد نوائے ہیچکس

گربودے صد ہزاراں ہمچومن شیدائے تو
وعدۂ وصل ترا ہرگز نبودے پیش و پس

تاشود فارغ ز دنیا تا شود فارغ ز دیں
بوعلی را یک نظر از چشم شہلائے تو بس



(50)

اے شیخ! اللہ کے عشق میں لحہ بھر کیلئے ہی وجد کر دایک بے عقل اونٹ بھی گھنٹی کی آواز سے رقص کرنے لگ جاتا ہے۔ جب عشق اندر آتا ہے تو عقل باہر نکل جاتی ہے تیرے عشق کے راستہ میں میری عقل کا گھوڑا کیسے چل سکتا ہے؟

اے میرے ہم صیفرو! یعنی ساتھیو! میرا یہ پیغام باغ میں لے جاؤ کہ میں ایک ایسے پرندے کی طرح پنجرے میں تڑپ رہا ہوں جو نیا نیا گرفتار ہوا ہو۔ میرے علم وعقل کو تیرے چہرے کے جلوے کے نور نے اس طرح جلا ڈالا ہے جیسا کہ آگ کے شعلہ سے خاروخس جل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ اگر تمہیں نغمہ سننے کا شوق ہے تو میری یہ فریاد سنو۔ ایسی دلکش آواز کسی کی نہیں ہوگی۔ اگر میری طرح تیرے ہزاروں شیدائی ہوں پھر بھی تیرا وعدۂ وصل حتمی اور یقینی ہوتا ہے اور اس وعدہ میں کوئی تقدم وتاخر نہیں ہوگا۔

بوعلی کیلئے دین ودنیا سے فارغ ہونے کیلئے تیری چشم نرگس کی ایک نظر ہی کافی ہے یعنی اگر تیری نرگسی آنکھوں کی ایک نظر مجھے نصیب ہوجائے تو وہ دین ودنیا سے بے نیاز اور بے پرواہ ہو جائیگا۔

ش

غزل(51)

آمد اندر گوشم آواز سروش
کاے قلندر! ساغرے از بادہ نوش
بادۂ کز لمعۂ ایش سوزد جہاں
چوں بہ خمے بادہ می آید بہ جوش
بادۂ کز جرعۂ آں بے گماں
قدسیاں را می نماند عقل و ہوش
بادۂ کز مستئ آں بنگری
ہم زمین و ہم زماں را درخروش
بادۂ کز جلوۂ آں می شود
روضۂ رضواں دکان میفروش
بادۂ کز وے ز دوشش می کشند
ہرکہ را سجادہ می باشد بدوش
بادۂ کز قلقل مینائے او
آیۂ لا تقنطوا آید بگوش
بادۂ کز تندیٔ و تلخیٔ خویش
ہست رندان ازل را عیب پوش
بادۂ کاندر ثنائے آں شرف
می نباید شد ترا ہرگز خموش



(51)

میرے کانوں میں ہاتف غیبی کی آواز آئی کہ اے قلندر! شراب معرفت کا جام پیو یہ ایسی شراب ہے کہ جب وہ اپنے مٹکے میں جوش کھاتی ہے تو اسکی ایک ہی چمک سے سارا جہان جل جاتا ہے۔

وہ ایسی شراب ہے جس کے ایک گھونٹ سے عالم ملکوت کے تمام ارواح قدسیہ بھی مست ہو جاتے ہیں۔ وہ ایسی شراب ہے جسکی مستی سے زمین و آسمان بھی جوش و خروش میں آجاتے ہیں۔ وہ ایسی شراب ہے جس کے ایک ہی جلوہ سے داروغۂ جنت (رضوان) کی بہشت مئے فروش کی دکان بن جاتی ہے۔ وہ ایسی شراب ہے کہ اس کے پینے والا ریاکار زاہدوں کے کندھوں سے جائے نماز (مصلیٰ) چھین لیتا ہے۔ وہ ایسی شراب ہے کہ اسکی صراحی کی قلقل کی آواز سے کانوں میں ''لاتقنطوا من رحمتہ اللہ'' کی آیت سنائی دیتی ہے۔ وہ ایسی شراب ہے کہ اپنی تیزی اور تلخی کی وجہ سے ازلی رندوں کی عیب پوشی کرتی ہے اور انہیں معذور قرار دیتی ہے۔ وہ ایسی شراب ہے جسکی تعریف میں اے شرف! تمہیں ہرگز خاموش نہیں ہونا چاہئے۔

ص

غزل(52)

ہرکہ بروے باشدت الطاف خاص
مے نیابد از کمند تو خلاص

دست ازجانش بشوید بایدش
می زند ہرکس کہ لاف اختصاص

گر مرا کشتن ہمی خواہی بکش
می نیارم بر زباں حرف قصاص

دوش می پرسید یک زاہد زمن
چیست اندر بادۂ گلگوں خواص؟

اے شرؔف تا نشنوم ہذیان خلق
باید اندر گوشم افگندن رصاص



(52)

اے محبوب! جس پر تیرے خصوصی الطاف ہوتے ہیں وہ تیری کمند سے رہائی حاصل نہیں کرسکتا اور جو شخص اس میدان عشق میں اپنی خصوصیت کی ڈینگیں مارتا ہے اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ اے محبوب! اگر تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تو قتل کر دے۔ میں اپنی زبان پر قصاص کا حرف بھی نہیں لاؤنگا۔

کل مجھ سے ایک خشک زاہد پوچھنے لگا کہ اس گلاب کے پھول جیسے رنگ والی شراب میں کیا خاصیتیں ہوتی ہے؟ اے شرف! میرے کانوں میں سیسہ (سکہ) کو پگھلا کر ڈال دوتا کہ میں لوگوں کی خرافات کو نہ سن سکوں۔

ض

غزل(53)

ز کوئے تو نتوانم کہ من کنم اعراض
کہ بلبلم من و کوئے تو روضۂ ز ریاض

چوں جلوہ ات ز اثر جلوۂ تو می خیزد
بخلوتے نہ نشینم چوں زاہد مرتاض

تو جان و دل بدہی او چوں جام بادہ دہد
تو چوں بخیل شوی ساقی است چوں فیاض

ز دہر قطع تعلق بباید کردن
چنانکہ قطع شود جامۂ تو از مقراض

جمال ذات و صفاتش بہ جلوہ آمدہ است
ببیں بچشم بصیرت جواہرو اعراض

ہے ہجوم کند بر روان و دل وسواس
چنانکہ حملہ کند بر توان و تن امراض

شرف خدا و خودی جمع کے شود زینساں
چنانکہ ہست بچشم جہاں سواد و بیاض



(53)

اے محبوب! میں تیرے کوچہ سے روگردانی نہیں کرسکتا کیونکہ میں ایک بلبل ہوں اور تیرا کوچہ میرے لئے (روضتہ من ریاض الجنت) ہے یعنی جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ چونکہ تیرے جلوے کی تاثیر سے ایک نور عکس ریز ہوتا ہے اس لئے میں ریاض کش زاہد کی طرح خلوت میں بیٹھنے کو پسند نہیں کرتا۔ جب محبوب حقیقی تمہیں شراب معرفت کا جام عطا کرتا ہے تو پھر تمہارا بھی فرض ہے کہ اس پر اپنی جان اور اپنے دل کو قربان کردو۔ جب ساقی بہت سخی اور فیاض ہے تو پھر تم کیوں کنجوس بنتے ہو؟

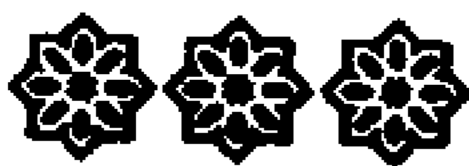
جس طرح قینچی سے تیری قمیض کاٹی جاتی ہے اسی طرح تمہیں زمانے بھر سے قطع تعلق کر لینا چاہئے چونکہ محبوب حقیقی کی ذات اور اسکی صفات جلوہ فرما ہیں اس لئے تم بصیرت کی آنکھوں سے اس کے جواہر اور اعراض کو دیکھ سکتے ہو۔

جس طرح آدمی کے جسم اور طاقت پر مختلف بیماریاں حملہ آور ہوتی ہیں اسی طرح انسان کے روح اور دل پر غلط وسوسے حملہ کرتے ہیں۔ اے شرف! خدا اور خودی (انانیت) دونوں اس طرح اکٹھے نہیں ہو سکتے جس طرح آنکھوں میں بیک وقت سفیدی اور سیاہی متحد نہیں ہو سکتے۔ یعنی سفیدی سفیدی ہے اور سیاہی سیاہی ہے۔ دونوں یکجا نہیں ہو سکتے۔

ط

غزل(54)

بوالہوس باشد اسیر خال و خط
عشق ما ہرگز بناشد زیں غلط
درنگاہ ما ہمہ عالم یکیست
چوں نقط پیوستہ و پنہاں بہ خط
چوں نگہ گردد بکثرت آشنا
خط شود پنہاں وہم پیدا نقط
آگہہ از راز تہہ دریا شوی
گرشوی غواص و نہ نشینی بہ شط
ہست گوہر در تہہ دریا نہاں
تو شنا کردن ہمی خواہی چوبط
لوح ہستی را صفا خواہی اگر
محوکن خودرا توچوں حرف غلط
گاہے مَی نوش و تو گاہے کن نماز
زاہدا اخیر است خیر اندر وسط
آنکہ از دنیا شرف گیرد کنار
می نخواہد کرد بر دنیا شطط



(54)

ہوس کار صرف ظاہری خالِ وخط اور نقش ونگار کا شیدائی ہوتا ہے لیکن ہم قلندروں کا عشق ہرگز اس طرح کا نہیں ہوتا۔

ہماری نگاہوں میں تمام عالم ایک وحدت ہے اور اس میں دوئی کا کوئی شائبہ نہیں جس طرح کہ نقطے، خط میں پوشیدہ بھی ہوتے ہیں اور اس سے پیوست بھی ہوتے ہیں یعنی جب نگاہیں کثرت سے آشنا ہوتی ہیں تو اس وقت خط پوشیدہ ہو جاتا ہے اور نقطے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ دریا کی تہہ کے رازوں سے تب آگاہ ہوسکو گے جب اس کے اندر غوطہ لگاؤ گے اور کنارے پر بیٹھے نہیں رہو گے۔

گوہر تو دریا کی تہہ میں پوشیدہ ہوتے ہیں جبکہ تم بطخ کی طرح صرف دریا کی سطح پر ہی تیرنا چاہتے ہو اگر تم اپنی زندگی کی تختی کی صفائی چاہتے ہو تو اپنے آپ کو حرف غلط کی طرح مٹا دو۔ کبھی شراب معرفت پیو اور کبھی نماز ادا کرو۔ اے خشک زاہد! خیر الامور اوسطھا کی حدیث شریف کو ہمیشہ پیش نظر رکھو۔ یعنی اعتدال میں ہی خیریت ہوتی ہے اس لئے فریضہ نماز ادا کرنے کے بعد ذکر وفکر میں اور مراقبہ میں بھی مشغول رہو۔

اے شرف! جو آدمی دنیا سے کنارہ کش ہو جاتا ہے وہ دراصل دنیا پر ظلم کرنا پسند نہیں کرتا۔ اس غزل میں وحدت الوجود کے مسئلہ کو قلندرانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے اور وحدت در کثرت اور کثرت در وحدت کی عقدہ کشائی بھی کی گئی ہے۔ (فافہم)

ظ

غزل(55)

زاہدا از جام مئے پر ہیزگاراں را چہ حظ
وز نماز و روزہ حج میکساراں را چہ حظ

ما کہ از مئے بے خودیم و گہہ ز دیدار نگار
واعظا زیں بے خودیہا ہوشیاراں را چہ حظ

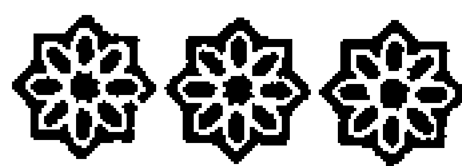
دیدہ باشند از رخ آں دوست اندک جلوۂ
ورنہ از احیاۓ شب، شب زندہ داراں را چہ حظ

چوں ندارد جلوۂ حسن و جمال شاں ثبات
ازتغا فلہاۓ خود ایں گلعذاراں را چہ حظ

چوں نباشد جز وصال یار درمانے مرا
پس زشغل چارہ سازی غمگساراں را چہ حظ

گر نہ برداری نقاب از عارض خودگاہ گاہ
از امید وصل تو امیدواراں را چہ حظ

چوں شرفؔ دارند رو سوۓ کمند ناز تو
ورنہ اندر رستگاری رستگاراں را چہ حظ



(55)

اے زاہد! پرہیزگار لوگ جام مئے کی لذت کو کیا جانیں؟ اور اسی طرح شراب معرفت پینے والے نماز، روزہ اور حج کی لذت کو کیا جانیں؟

ہم جو کبھی شراب معرفت سے اور کبھی محبوب حقیقی کے دیدار سے بے خود اور مست ہو جاتے ہیں سو اے واعظ! ہماری اس مستی اور بے خودی کو یہ ہوشمند لوگ کیا جانیں؟

اگر محبوب حقیقی کے چہرہ کا تھوڑا سا جلوہ بھی ان عابدوں نے دیکھا ہوتا تو بھی ایک بات تھی ورنہ ان خشک زاہدوں کو جو ساری رات ریاکارانہ عبادت کرنے میں جاگتے رہتے ہیں کیا لذت حاصل ہوسکتی ہے؟

جب دنیا کے حسینوں کا حسن و جمال چند روزہ ہوتا ہے اور اسے ثبات نہیں ہوتا تو پھر انہیں خود پسندی اور غفلت شعاری سے کیا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے۔ علامہ اقبال نے حسن کی بے ثباتی کو یوں بیان فرمایا ہے

ے چمن سے روتا ہوا موسم بہار گیا
شباب سیر کو آیا تھا سوگوار گیا

جب وصال یار کے بغیر میرا اور کوئی علاج نہیں ہے تو پھر دوستوں کی زبانی غمگساری اور ہمدردی کا کیا فائدہ؟ بقول مرزا غالب

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

اے محبوب! اگر تم اپنے رخساروں سے کبھی کبھار نقاب نہیں اٹھاؤ گے تو تیرے وصال کے امیدواروں کو یونہی وصل کی امید لگائے رکھنے سے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ یعنی مہربانی فرما کر کبھی کبھار اپنے چہرہ سے نقاب اٹھا کر ہم مشتاقوں کو اپنا دیدار کرادیا کرو۔ شرف کی طرح اور بھی کئی عشاق تیری کمند ناز کی طرف ٹکٹکی لگائے بیٹھے ہیں اور انہیں آزاد ہونے کی صورت میں کسی لذت اور آسودگی کی امید نہیں ہے اسی لئے یہ تیری کمند ناز میں پھنسے رہنے کی لذت کے متلاشی ہیں اور آزادی کے آرزومند نہیں ہیں۔

ع

غزل(56)

چوں فتد برجان ما ازجلوۂ جنت شعاع
جاں کند مارا وداع وماکنیم آں را وداع

گوش کرّمی دارد و سرخالی از سودائے یار
شیخ گر حظے نمی گیرد زآہنگ سماع

گر تہیدستیم ماعیبے نباشد اے ندیم
غمزۂ یارے بغارت می برد مارا متاع

گر نباشد از تو اندر زندگی لطفے مرا
من ز لطفے زندگی ہرگز نیگرم انتفاع

کاش بردارد نقاب از روئے خودآں ماہ وش
درمیان عارف و واعظ ہمی بینم نزاع

گر ہمی خواہید پیوستن بہ او اے واعظاں
باید از دنیا و دیں کردن شمارا انقطاع

اے شرؔف ما راز داران حریم قدسیم
نیست بر اسرار ما ہرگز کسے را اطلاع



(56)

محبوب حقیقی کے جلوہ کی (جو ہماری جنت ہے) اگر ایک شعاع ہماری جان پر پڑ جائے تو ہماری جان ہمیں الوداع کہہ دے اور ہم اسے الوداع کہہ دیں۔

اگر شیخ بوقت سماع باجے اور موسیقی سے لطف اندوز نہیں ہوتا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اس کے کان بہرے ہیں اور اس کا سر محبوب حقیقی کے عشق سے خالی ہے۔

اے دوست! اگر ہم تہی دست اور مفلس ہیں تو یہ بات ہمارے لئے کوئی عیب نہیں ہے کیونکہ ہمارے محبوب حقیقی کا ایک ہی غمزہ ہمارے تمام مال و اسباب کو لوٹ کر لے گیا ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ

؎ متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خونریز ہے ساقی

اگر زندگی میں مجھے تیری کوئی خوشی نصیب نہ ہو تو پھر میں اپنی زندگی کی کسی لذت سے لطف اندوز نہیں ہونگا۔ اے کاش! کہ وہ محبوب حقیقی اپنے چہرہ سے نقاب الٹ دے تا کہ عارف اور واعظ کے درمیان جو جھگڑا چل رہا ہے وہ ختم ہو جائے۔

اے واعظو! اگر تم محبوب حقیقی کا وصال چاہتے ہو تو پھر تمہیں دنیا اور دین دونوں سے تعلق کو منقطع کرنا ہوگا۔

اے شرف! ہم حریم قدسی (عالم ملکوت) کے راز دار ہیں، ہمارے رازوں کی کسی کو بھی خبر نہیں ہے۔

غ

غزل(57)

می فروزم ہر شب از یاد رخ جاناں چراغ
نیست چوں پروانہ ام از سوختن ہرگز فراغ

کاش بارد برسراو سنگ و خاک از آسماں
ہر کسے کو خالی از سودائے تو دارد دماغ

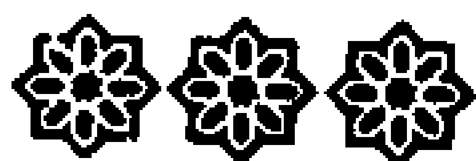
باغ ما در سینۂ ما ہست ازعکس رخش
ما نے گیریم حظے زینہار از سیر باغ

از خیال روئے و چشم آں نگار شوخ و شنگ
دیدۂ من پر ز اشک و سینۂ من پر ز داغ

درگل و عطر و عبیر وعنبر و مشک ختن
از شمیم زلف تو ہرگز نمے یابم سراغ

واعظا! موئے دماغی درمیان عاشقاں
درمیان بلبلاں ہرگز نزیبد شور زاغ

اے شرفؔ فارغ نہ گشتی گر ز دنیا و ز دیں
روزوشب مستانہ می گردی چرا درباغ و راغ



(57)

میں ہر رات کومحبوب کے چہرے کی یاد کا چراغ روشن رکھتا ہوں یعنی ساری رات اسے یاد کرتا رہتا ہوں اور پروانے کی طرح مجھے جلنے سے فرصت نہیں ملتی۔

اے کاش! اس شخص کے سر پر آسمان سے پتھر اور مٹی برسیں جس کا دماغ تیرے عشق سے خالی ہے۔ ہمارے سینہ کے اندر اس کے چہرہ کے عکس سے اور اس کے نور سے ایک باغ موجود ہے لہٰذا ہم کسی اور باغ کی سیر سے لطف اندوز نہیں ہونا چاہتے۔

اس شوخ اور خوبصورت معشوق کے چہرے اور اسکی آنکھوں کے تصور سے میری آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی ہوتی ہیں اور میرا سینہ داغ داغ ہے۔ اس موقع پر یکدل لاہوری کا شعر بھی داد کے قابل ہے

؎ یکدل و خیلے آرزو دل بہ کجا کجا دہم
تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

گلاب کے پھول میں، عطر میں، عبیر میں، عنبر میں اور ختن کی کستوری میں تیری زلفوں جیسی خوشبو قطعاً نہیں ہے یعنی ان تمام خوشبوؤں میں تیری زلفوں جیسی خوشبو نہیں پائی جاتی۔

فائدہ:۔ عبیر ایک مرکب خوشبو ہے جو گلاب، صندل، کستوری اور زعفران کو ملا کر بنائی جاتی ہے۔ ختن کے ہرن کی ناف کے اندر خون کو خشک کر کے کستوری حاصل کی جاتی ہے اور عنبر دریائی مچھلی کا خوشبودار فضلہ ہوتا ہے (فافہم)

اے واعظ! تو عاشقوں کے اندر ان کی عیش میں خلل ڈالنے والا ہے اور ظاہر ہے بلبلوں کے جھرمٹ میں کوے کا شور زیب نہیں دیتا۔

فائدہ:۔ خلل انداز شخص کو فارسی میں موئے دماغ کہتے ہیں۔ اسی لئے واعظ کی باتوں کو کوے کے شور سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اے شرف! اگر تم دنیا اور دین سے فارغ نہیں ہوئے تو پھر تم رات اور دن باغوں اور میدانوں میں مستوں کی طرح کیوں پھر رہے ہو؟

ف

غزل(58)

ساقی گرفت جام مئے لالہ گوں بکف
مطرب ترانہ کرد برآہنگ چنگ و دف

گر نشویم نغمۂ و ساغر نہ برکشیم
ما ے کنیم عمر گرانمایہ را تلف

دوش از شکست تو بہ پشیماں ہمی شدم
آمد ندائے ہاتف غیبی کہ ”لاتخف“

راز نہاں ز پیر مغان است در دلم
جوں گوہرے کہ سر نہ بروں آردا ز صدف

جان و دل از برائے ہدف پیش آورم
تیرے اگر بغمزہ نشانی تو بر ہدف

باید ترا کہ تیغ بروں آری از نیام
ما عاشقان ستادہ چو باشیم صف بہ صف

اے لعبتان شوخ کہ باشند سنگدل
رحمے نمی کنند بجان و دل شرف



(58)

ساقی گل لالہ کے رنگ والی سرخ شراب معرفت کا جام ہاتھ میں لئے ہوئے ہے اور اس کے ساتھ گویا بھی باجے اور دف کی آواز پر ترانہ الاپ رہا ہے۔ اب اگر ہم نے اس ترانے کو نہ سنا اور شراب معرفت کا جام نہ پیا تو گویا ہم اپنی نہایت ہی قیمتی عمر کو ضائع کر بیٹھے۔ کل میں اپنی توبہ کو توڑ کر بہت پچھتایا اور سخت پشیمان ہوا کہ اچانک ہاتف غیبی کی آواز آئی کہ "**لاتخف**" (کچھ خوف نہ کھاؤ) اس ضمن میں حضرت غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے ایک الہامی شعر میں یوں فرمایا ہے

؎ گنہہ کردن اگرچہ خوئے تو گشت
ولے عفو گناہت ہم مرا خوست

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے بندے! اگر گناہ کرنا تیری عادت بن چکی ہے تو تیرے گناہوں کو معاف کرنا میری عادت ہے۔ اسی موضوع پر سلمان ساوجی کی رباعی بھی حاضر خدمت ہے۔

از بسکہ شکست باز بستم توبہ
فریاد ہمی کند ز دستم توبہ
دیروز بتوبہ شکستم ساغر
امروز بساغرے شکستم توبہ

یعنی اگرچہ بہت دفعہ میری توبہ ٹوٹ چکی ہے تاہم پھر میں نے توبہ کی ہے اب تو یہ میرے ہاتھوں سے فریاد کر رہی ہے (کہ میں کئی دفعہ توبہ توڑ چکا ہوں) کل میں نے توبہ کی خاطر شراب کے پیالے کو توڑ ڈالا تھا تاکہ نہ ہو بانس نہ بجے بانسری۔ مگر آج میں نے پیالۂ شراب کی خاطر پھر توبہ کو توڑ ڈالا ہے۔

پیر مغاں کا بتایا ہوا ایک ایسا پوشیدہ راز میرے دل میں ہے جو کہ اس گوہر کی مانند ہے جو صدف کے اندر پوشیدہ ہوتا ہے۔ اے میرے محبوب حقیقی! اگر تو نے اپنے غمزہ کے تیر کا مجھے نشانہ بنا رکھا ہے تو میں نے بھی اپنی جان اور اپنے دل کو اس تیر کا ہدف بننے کیلئے تیرے سامنے پیش کر دیا ہے۔

اے محبوب! تمہیں بھی اب اپنی تلوار کو نیام سے باہر نکال لینا چاہئے کیونکہ ہم تمام عشاق تیری تلوار کے چلنے کی انتظار میں صف بہ صف کھڑے ہوئے ہیں۔ میرا محبوب شوخ بھی ہے اور سنگدل بھی ہے لہٰذا وہ شرف کی جان و دل پر رحم نہیں کرتا۔

ق

غزل(59)

روئے تو سوزد مرا از آتش پنہان عشق
موئے تو باشد مرا سلسلہ جنبان عشق

سر نہ فرو آورم پیش کسے درجہاں
سر بنہادم چوں من برخط فرمان عشق

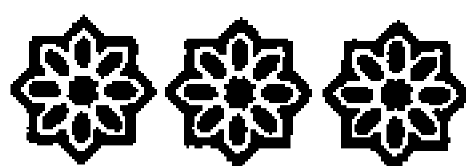
دست بدامان خضر کے زنداز احتیاج
آنکہ بدستش بود گوشۂ دامان عشق

منزل مقصود اگر ہست ترا درنظر
یک قدم شوق زن سوئے بیابان عشق

لقمۂ دنیا منہ در دہن و کام خویش
خواہی اگر واعظا لقمۂ از خوان عشق

زود گریزد ز سر چوں بشنود ناگہاں
برصف عقل و خرد حملۂ سلطان خویش

ہوش گریزد ز سر واعظ مغرور را
گرتو زنی اے شرف نعرہ چوں مستان عشق



(59)

تیرا چہرہ مجھے عشق کی پوشیدہ آگ سے جلا دیتا ہے اور تیری زلفیں میرے لئے عشق کی زنجیریں بن جاتی ہیں اور پھر عشق کی سلسلہ جنبانی کرنے لگتی ہیں۔ یعنی تیری زلفوں کو دیکھ کر میری آتش عشق مزید تیز ہو جاتی ہے چونکہ میں نے اپنے سر کو فرمان عشق کی تحریر کے مطابق تیرے آگے جھکا دیا ہے اس لئے اب زمانے میں کسی اور کے آگے میں اپنے سر کو نہیں جھکانا چاہتا۔ جس نے اپنے ہاتھوں میں دامن عشق کا گوشہ تھام رکھا ہو وہ خضر کے دامن کو تھامنے کی حاجت محسوس نہیں کرتا۔ اگر منزل مقصود کو حاصل کرنا تمہارے پیش نظر ہے تو پھر عشق کے بیابان کی طرف شوق سے قدم بڑھاؤ۔

اے واعظ! اگر تم عشق کے دسترخوان سے لقمہ کھانا چاہتے ہو تو پھر اپنے منہ اور اپنے حلق میں دنیاوی حرص ولالچ کا لقمہ نہ ڈالو۔

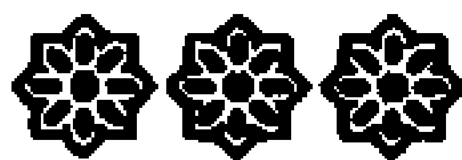
جب عشق کا بادشاہ عقل وخرد کی صفوں پر اچانک حملہ آور ہو جاتا ہے تو پھر یہ عقل وخرد دونوں سر سے نکل کر بھاگ جاتے ہیں۔

اے شرف! جب تم عشق کے مستوں کی طرح نعرہ مارو گے تو مغرور واعظ کے سر سے ہوش نکل کر بھاگ جائیگا یعنی وہ بھی مست ہو جائیگا۔

ک

غزل(60)

فدائے روئے تو ارضین و افلاک
بفرق تو منور تاج لولاک
بکش از رخ نقاب اے ماہ یثرب
بزن در جیب و دامان دلم چاک
بیفکن آتشے درسینۂ من
کہ سوزد خرمن صبر مرا چاک
ہے نالم کہ بر روئے بمالم
ز راہ تو اگر یابم کف خاک
بیا برق جمال خویش افگن
وجود من بود چوں خار و خاشاک
بزن تیغ مرا برسر ز غمزہ
بکن رحمے مرا بر جان غمناک
چوں سوزم زآتش ہجر تو ہر دم
نباشد ز آتش دوزخ مرا باک
حدی خواں خواند ار نعت تو یکدم
شود جمازۂ من چست و چالاک
بہ جیب و دامنش صد چاک دارد
قلندر بوعلی بیھواک بیھواک



(60)

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر تمام آسمان اور تمام زمینیں قربان ہیں۔آپ کے سر مبارک پر لولاک کا تاج چمک رہا ہے۔

اے یثرب کے چاند! اپنے چہرۂ مبارک سے نقاب الٹ دیجئے اور میرے دل کے گریبان اور دامن کو چاک چاک کر دیجئے میرے سینے میں اپنے عشق کی آگ لگا دیجئے جو مجھ غلام کے صبر کے خرمن کو جلا ڈالے۔ میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ کب تیری راہ کی مٹھی بھر خاک مجھے ملے گی جسے میں اپنے منہ پر غازے کی طرح ملوں گا۔یعنی کب میرا یہ شوق پورا ہوگا؟ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیے اور اپنے حسن و جمال کی بجلی مجھ پر گرا دیجئے تاکہ میرا وجود خس و خاشاک کی طرح ہے جل جائے۔

اپنے غمزہ کی تلوار میرے سر پر چلائیے اور میری غمناک جان پر رحم فرمایئے اور میری حسرت پوری فرمایئے۔

میں جو تیری جدائی کی آگ میں ہر وقت جل رہا ہوں مجھے دوزخ کی آگ کا خوف نہیں ہے۔

شتربان (حدی خوان) جب تیری نعت پڑھتا ہے تو میرا تیز رفتار اونٹ وجد میں آکر مزید چست و چالاک ہو جاتا ہے۔

بوعلی قلندر تجھے چاہتا ہے، تجھے چاہتا ہے اسی لئے اس کے گریبان اور دامن میں سینکڑوں چاک ہیں یعنی وہ پرزے پرزے اور لیراں لیراں ہے۔

گ

غزل (61)

آمدیم از صحبت ایناں بہ تنگ
ما نمے خواہیم ہرگز نام و ننگ

باکس و ناکس شوی در آشتی
تو اگر بانفس خود آئی بہ جنگ

راہ عابد نیست جز راہ صفا
راہ عاشق نیست جز کام نہنگ

سر ز ہجر تو بسنگ آمد مرا
دستم از عشق تو آمد زیر سنگ

عمر رفتہ بازپس ناآید ترا
ازکماں برجستہ می ناآید خدنگ

پس غنیمت ہرنفس را می شمار
دامن عشرت مبر بیروں ز چنگ

نغمہ برزن بر نوائے مطرباں
جام برکش از شراب لعل رنگ

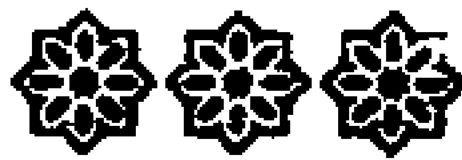
دل بود آئینہ و آئینہ را
پاک باید کردن از ہر داغ و زنگ

تاجمال سرمدی بینی عیاں
اندراں آئینہ بے ریب و درنگ

برنتابد عشق، علم و عقل را
ایں چنیں تو سن دریں واویست لنگ

زاہداں را می رود ایماں بباد
درمیان شاہدان شوخ و شنگ

عشق غالب اے شرف آید بہ عقل
چوں برآ ہو حملہ می آرد پلنگ



(61)

ہم ان دنیاداروں کی صحبت سے تنگ آ گئے ہیں۔ کیونکہ ہم ننگ وناموس کے خواہشمند نہیں ہیں۔ اگر تم اپنے نفس کے ساتھ جنگ کرنا چاہتے ہوتو پھر ہر کس وناکس (اچھے برے) سے صلح وآشتی رکھو۔ بقول شاعر

؎ کفر است نزدما بہ کسے کینہ داشتن
آئین ماست سینہ چوں آئینہ درشتن

عابد کا راستہ امن کے راستہ کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہوتا جبکہ عاشق کا راستہ مگرمچھ کے حلق میں جانے والا راستہ ہوتا ہے۔ یعنی عابد کا راستہ پرامن ہوتا ہے جبکہ عاشق کا راستہ دشوار گزار اور خطرناک ہوتا ہے۔

میرا سر تیری جدائی کی وجہ سے پتھر پر جالگا ہے اور میرا ہاتھ تیرے عشق کی وجہ سے پتھر کے نیچے آ گیا ہے بقولِ مرزا غالب

؎ مجبوریٔ و دعویٰ گرفتاریٔ الفت
دستِ تہ سنگ آمدہ پیمانِ وفا ہے

گزری ہوئی عمر واپس نہیں آتی جیسا کہ کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آسکتا۔ ہر سانس کو غنیمت سمجھو۔ زندگی کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑو یعنی زندگی میں کچھ عمل صالح کرلو۔ بقول مولانا حالی

؎ کھیتوں کو دے لو پانی یہ بہہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانو! اٹھتی جوانیاں ہیں

مطربوں یعنی گانے والوں کی آواز پر تم بھی ترانہ الاپو اور سرخ رنگ کی شراب کا جام پیو۔ یعنی اہل عشق کے ہمنوا ہو کر شراب معرفت کے جام پر جام لنڈھاتے رہو۔ دل ایک آئینہ ہے لہٰذا اسے ہر داغ اور زنگ سے صاف رکھنا چاہئے تاکہ تم اس آئینہ میں ابدی اور سرمدی حسن وجمال بلا تاخیر اور بلا ریب دیکھ سکو۔

عشق کبھی علم وعقل کو برداشت نہیں کرسکتا۔ علم وعقل کا گھوڑا عشق کی وادی میں لنگڑا ہو جاتا ہے۔ شوخ اور خوبصورت محبوبوں کے درمیان خشک زاہدوں کا ایمان ہوا میں اڑ جاتا ہے یعنی برباد ہو جاتا ہے۔ اے شرف! عشق اس طرح عقل پر غالب آ جاتا ہے جس طرح چیتا ہرن پر حملہ کر کے اس کا تیاپانچہ کر دیتا ہے۔

ل

غزل نمبر (62)

نہاں بوئے تو شد در غنچۂ و گل
کہ از مستی بہ فریاد است بلبل

بہ قیمت داد مے ملک سلیماں
اگر دادم کسے یک ساغر مل

چوں دیدم جلوۂ آں شاہد مست
ز دستم رفت داماں تحمل

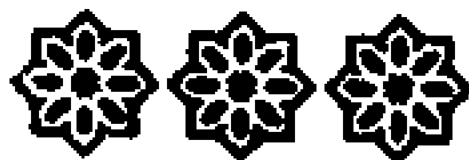
نمے دانم کہ ایں باد سحر چوں
بہ پیچ و تاب آرد زلف سنبل

نمے دانم کہ قمری بر سر سرو
چرا افگندہ درگلزار غلغل

نمے دانم کہ اندر بزم رنداں
چرا آید بگوش ایں بانگ قلقل

نمے دانم کہ بر بالائے گلبن
چرا می آید اندر نغمہ بلبل

شرفؔ ایں راز را گر فہم خواہی
بروں تاور سر از جیب تامل



(62)

اے محبوب حقیقی! تیری خوشبو غنچہ اور گلاب کے پھول میں پوشیدہ ہے اسی لئے مستی کی وجہ سے بلبل فریاد کرتی پھرتی ہے۔ اس شعر میں وحدت در کثرت کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ میں عاجز نے بھی اپنی ایک رباعی میں اس مسئلہ پر یوں روشنی ڈالی ہے۔

ے پایا ہے میں نے تجھ کو ہر ایک گلبدن میں
دیکھا ہے میں نے تجھ کو پھولوں کے بانکپن میں
ارض و سما میں تو ہے، شمس و قمر میں تو ہے
ہے تو ہی جلوہ فرما تاروں کی انجمن میں

اگر کوئی مجھے شراب انگوری کا ایک پیالہ عنایت کرے تو میں اسے سلیمان علیہ السلام کی ساری بادشاہی اس کی قیمت میں دے دونگا۔ اس شعر میں شراب انگوری دراصل شراب معرفت سے استعارہ ہے۔ حافظ شیرازی نے اس تخیل کو یوں بیان فرمایا ہے۔

ے اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

جب میں نے اپنے مست محبوب کے جلوہ کو دیکھا تو میرے ہاتھوں سے صبر و تحمل کا دامن چھوٹ گیا۔ میں نہیں جانتا کہ صبح کی ہوا سنبل الطیب (بالچھڑ) کی زلفوں کو کس طرح پیچ در پیچ اور گھنگھریالا کر دیتی ہے؟ اس شعر میں صبح کی ہوا پچھلی رات کی عبادت سے استعارہ ہے۔ سنبل کی زلفیں گناہوں سے استعارہ ہیں اور زلفوں کا پیچ در پیچ ہونا توبہ کے قبول ہونے سے استعارہ ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ گناہوں کو بخش دیتا ہے بلکہ گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔

میں نہیں جانتا کہ فاختہ نے باغ میں سرو کے درخت پر کیوں شور و غل مچا رکھا ہے؟ میں نہیں جانتا کہ رندوں کی محفل میں یہ شراب کی صراحی انڈیلنے کی آواز کیوں آ رہی ہے؟ یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے سے دل کی حرکت جاری ہو جاتی ہے اور اسے شراب کی صراحی کے انڈیلنے کی آواز کہا گیا ہے۔ (قلقل کی آواز قلب کے جاری ہونے سے استعارہ ہے) میں نہیں جانتا کہ باغ کے اندر گلاب کا پھول اپنے گریبان اور دامن میں کیوں سینکڑوں چاک کر ڈالتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ گلاب کے پودے پر بلبل کیوں ترانے الاپنے لگتی ہے؟

اے شرف! اگر اس راز کو سمجھنا چاہتے ہو تو غور و تامل اور ذکر و فکر سے باہر نہ آؤ بلکہ غور و تامل اور ذکر و فکر میں ہمیشہ مستغرق رہو۔

غزل(63)

اے آنکہ بہ فرقت ز لعمرک بود اکلیل
وے بر در تو ناصیہ سا آمدہ جبریل

ایوان تو عرش است کہ درجلوہ درآئی
انوار تواش بر در و دیوار چو قندیل

تو از نظرے عالم و آدم دگر آری
عیسیٰ کند ار زندہ دو صد مردہ بہ تعجیل

یک نعرۂ مستانہ بہ عشق تو زنم گر
خلقے بہ تصور رود از صور سرافیل

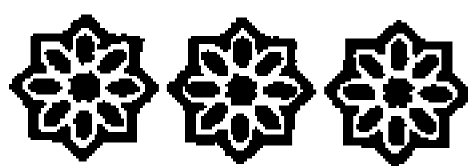
ایں یک خط سبزے کہ بروئے تو نوشتند
مجموع درآں پنج کتاب است بہ تفصیل

درفہم کسے کایں خط سبزے تو بخواند
توریت و زبور آمدہ ہم مصحف و انجیل

ما را سفر قبلۂ ابروئے تو درپیش
یاراں ہمہ درقصد حجاز اند بہ تعجیل

درعشق تو دیدہ شرف ایں گونہ عجائب
کز وے نتواں کرد حکایات بہ تمثیل

ہاں بوعلی از مدعیاں ہیچ نہ رنجی
باصورت آدم نبرد سجدہ عزازیل



(63)

یارسول اللہ ﷺ! آپ کی زندگی کی قسم کہ آپ کے سر مبارک پر شاہانہ تاج ہے اسی لئے جبریل علیہ السلام بھی آپ کے دروازے پر اپنی پیشانی گھسا رہا ہے۔

عرش آپ کیلئے ایک قصر شاہی ہے جس میں آپ جلوہ افروز ہوتے ہیں اور آپ کے انوار اس کے درودیوار پر قندیل کی طرح روشن ہیں۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام "قم باذن اللّٰہ" کہہ کر دو سو مردوں کو فوراً زندہ کر دیتا ہے تو آپ اپنی نظر سے ایک نیا آدم اور ایک نیا عالم معرض وجود میں لے آتے ہیں۔ اگر میں عشق کا ایک نعرۂ مستانہ ماروں تو لوگ سمجھیں گے کہ صور اسرافیل پھونکی گئی اور قیامت آ گئی۔ قضا و قدر نے آپ کے چہرۂ مبارک پر جو خط سبز لکھا ہے اس میں پانچ آسمانی کتابوں کا مجموعہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہوا ہے جس کے فہم میں آپ کا یہ خط سبز آ جائے تو وہ تورات، زبور، قرآن اور انجیل چاروں آسمانی کتابیں پڑھنے لگ جاتا ہے۔

فائدہ:۔ غنی کشمیری نے خط سبز کی یہی اصطلاح اپنے ایک شعر میں استعمال کی ہے جب ان کا یہ شعر صائب تبریزی کی نظروں سے گزرا تو وہ کہنے لگے کہ کاش میرا تمام دیوان، حضرت غنی کشمیری لے لیں اور صرف اپنا یہ ایک شعر مجھے دیدیں وہ شعر یہ تھا

؎ حسن سبزے بہ خط سبز مرا کرد اسیر
دام ہمرنگ زمیں بود گرفتار شدم

ہمیں تیرے ابرو کے قبلہ کا سفر درپیش ہے جبکہ دوسرے لوگ حجاز میں جانے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ شرف نے تیرے عشق میں ایسے عجیب و غریب اسرار دیکھے ہیں کہ یہ واقعات تمثیلی طور پر بھی بیان نہیں کئے جا سکتے۔ اے بوعلی! خشک زاہدوں سے رنجیدہ خاطر نہ ہو کیونکہ عزازیل (شیطان) بھی آدمی کو سجدہ کرنے کیلئے تیار نہیں تھا۔

غزل(64)

اے از طراوت لب تو تازگیٔ مل
اے از لطافت رخ تو ناز کئی گل

بالا ز جلوۂ ملکوت است حسن تو
حیراں ز شرح خوبی روئے تو عقل کل

بیروں ز اختیار بود گریہ ہائے ما
برپشت بحر می نتوانیم بست پل

ہر ذرہ را ز پرتو مہر است اضطراب
محوجمال روئے تو دیدیم جزو و کل

مارا بغیر بندگیت نیست چارۂ
درپائے ما ست سلسلہ درگردن است غل

واعظ برائے پند تو نزدیک من میا
کآید مر از دور خوش آوازۂ دہل

ما اے شرف بہ طاعت کس سرنمی نہیم
حلقہ بگوش ما بود از خاتم رسل



(64)

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے لبوں کی تازگی سے شراب معرفت کو تازگی ملی ہے۔ اور آپ۔ کے ہی چہرہ کی لطافت سے گلاب کے پھول کو نزاکت عطا ہوئی ہے۔ آپ کا حسن عالم ملکوت کے جلووں سے کہیں بلند ہے اور عقل کل (جبرائیل علیہ السلام) آپ کے چہرے کی خوبصورتی کی شرح بیان کرنے سے حیران اور عاجز ہے۔

آپ کے عشق میں ہماری گریہ زاری کرنا ہمارے اختیار سے بالاتر ہے یعنی ہم بے اختیار ہو کر گریہ زاری کر رہے ہیں۔ کیونکہ ہم عشق کے دریا پر پل نہیں باندھ سکتے۔ جس طرح سورج کے پرتو سے ہر ذرہ مضطرب ہوتا ہے اسی طرح کائنات کی تمام جز وکل آپ کے چہرے کے حسن و جمال کو دیکھنے میں محو ہیں۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی غلامی کے بغیر ہمارے لئے اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ ہمارے پاؤں مین آپ کی محبت کی زنجیریں پڑی ہوئی ہیں اور ہماری گردن میں آپ کے عشق کا طوق پڑا ہوا ہے۔

اے واعظ! تو ہمیں نصیحت کرنے کیلئے ہمارے پاس نہ آ۔ کیونکہ ڈھول کی آواز مجھے صرف دور سے ہی اچھی لگتی ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ دور کے ڈھول سہانے۔ چونکہ حضور خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا حلقہ ہمارے کانوں میں پڑا ہوا ہے اس لئے اے شرف! ہم کسی دوسرے شخص کی غلامی میں اپنے سر کو خم نہیں کرتے۔

غزل (65)

تشنۂ عشقم جگر می سوزدم
از تف آں مغز سر می سوزدم

یک نظر کردم بحسن گرم او
تا قیامت آں نظر می سوزدم

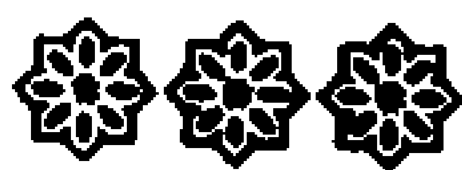
پرتو شمع رخش برمن رسید
زاں چوں پروانہ جگری سوزدم

گر بہ پرم بر ہوائے شوق او
صد تجلی بال و پر می سوزدم

ز آتش ہجر تو در قید حیات
روز و شب نار سقر می سوزدم

داغہائے عشق او در دل مرا است
آہ ایں مشت شرری سوزدم

شعلۂ یاد رخ پرنور او
بوعلی شام و سحر می سوزدم



(65)

میں عشق کا پیاسا ہوں اور مجھے جگر کی حرارت جلا رہی ہے اور اسی جگر کی گرمی سے میرے سر کا مغز مجھے جلا رہا ہے۔ میں نے اس کے گرم اور تابناک حسن کو صرف ایک نظر سے دیکھا تھا۔ جس کی وجہ سے قیامت تک یہ نظر مجھے جلا رہی ہے۔ اس کے چہرے کی شمع کا عکس مجھ پر پہنچا ہی تھا کہ اسکی تمازت سے پروانہ کی طرح میرا جگر جل گیا۔ اگر میں اس کے عشق کے شوق میں اوپر پرواز کرتا ہوں تو اس محبوب حقیقی کی سینکڑوں تجلیات میرے بال و پر کو جلا دیں گی۔ تیری جدائی کی آگ کی وجہ سے میں اپنی زندگی کی قید میں رات دن دوزخ کی آگ میں جل رہا ہوں۔ میرے دل میں اس کے عشق کے جو داغ موجود ہیں گویا یہ مٹھی بھر آگ کی چنگاریاں ہیں جو مجھے جلا رہی ہیں۔ ہائے افسوس!

اس کے پرنور چہرے کی یادوں کا شعلہ اے ابوعلی! مجھے رات دن جلا رہا ہے۔

غزل(66)

مۓ صافی و شاہد در کنارم
زکس در دوجہاں با کے ندارم

ازاں مۓ کزغم عشق تو خورد است
روانم تا ابد اندر خمارم

چوں چشم مست تو ہستم ہمہ عمر
نخواہی دید ہرگز ہوشیارم

"اناالحق" می زنم صد رہ چوں منصور
اگر رہ می نمائی سوۓ دارم

بداں شاہد کہ من دارم بعالم
سزد گر از دوعالم سربرآرم

چوں از رخ می کشد بند نقابے
تجلی می نماید بے قرارم

کنار از دین و از دنیا گرفتم
ہنوز او می نیآید درکنارم

نگیرد گوشۂ دامان او را
کند پرواز اگر مشت غبارم

چہ گویم اے شرف درحضرت او
کہ او داند نہان و آشکارم



(66)

معرفت کی صاف شراب اور محبوب میرے آغوش میں ہیں اب مجھے دونوں جہانوں میں کسی کا خوف اور ڈر نہیں ہے۔ میری جان نے تو تیرے عشق کے غم کی جو شراب پی ہے اسکی وجہ سے میں ابد تک مستی اور خمار کی حالت میں ہوں۔

چونکہ میں تیری مست آنکھوں کی طرح عمر بھر کیلئے مست ہو چکا ہوں اس لئے تم مجھے کبھی ہوش میں نہیں دیکھو گے۔

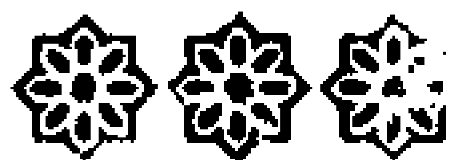
میں منصور حلاج کی طرح سینکڑوں بار انا الحق کا نعرہ مار رہا ہوں تا کہ تو اپنے گھر کی طرف میری رہنمائی کرے یا منصور کی طرح مجھے بھی تختۂ دار پر لٹکائے۔ اس شعر میں ''دار'' کے لفظ نے شعر کی فصاحت و بلاغت کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے اس میں صنعت ذو معنیین پائی جاتی ہے۔ کیونکہ دار ذو معنی لفظ ہے اور دونوں معانی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ دار کا ایک معنی گھر ہے اور دوسرا معنی پھانسی اور سولی ہے (فافہم)

زمانے بھر میں جو میرا محبوب ہے۔ اسکی وجہ سے میں دونوں جہان میں اپنا سر فخر سے بلند کر سکتا ہوں۔ جب وہ اپنے چہرے سے نقاب کا بند کھولتا ہے تو اسکی تجلی مجھے بیقرار کر دیتی ہے۔ میں نے اسکی خاطر دین اور دنیا دونوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے اس کے باوجود کہ وہ میرا نہیں بن سکا اور اس کا وصال مجھے حاصل نہیں ہو سکا۔

اگر میری مشت غبار (مٹھی بھر خاک) بہت بلند پرواز کر جائے پھر بھی اس کے دامن کے گوشہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ اے شرف! میں اسکی بارگاہ میں کیا عرض کروں؟ وہ تو پوشیدہ اور ظاہر دونوں کو جانتا ہے اور ''علام الغیوب'' ہے۔

غزل(67)

جمالت بود اندر روئے آدم
کہ می بودش شرف برجملہ آدم
اگر ایں نقطہ دانستے عزازیل
ہزاراں سجدہ آوردے دمادم
برآدم منکشف شد جملہ اسما
ملائک اندراں جا ماندہ ابکم
کسے کورا زباں بربستہ بنود
حریم قدس نیست اورا محرم
چہ نامے کز ثنائش چند فصلے
نوشتہ برجبین عرش اعظم
روداں نام را جانم بہ قرباں
کنم آں نام را من ورد پیہم
خوشا نامے و خوش آں صاحب نام
بہ جز نامش نباشد اسم اعظم
بہ عشق او شود دنیا و دیں مست
اگر مستانہ آوازے برآرم
شرف درصورت پاکش عیاں دید
جمال لایزالی را مسلم



(67)

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا حسن و جمال آدم علیہ السلام کے چہرے میں موجود تھا اسی لئے انہیں تمام بنی نوع انسان پر تقدم اور تشرف حاصل ہوا۔ اگر اس راز کا عزازیل (ابلیس) کو علم ہوتا تو وہ آدم علیہ السلام کو ہزاروں سجدے کرتا اور اسی وجہ سے آدم علیہ السلام پر تمام اشیاء کے نام منکشف ہوئے۔ جبکہ تمام فرشتے اس بارے میں گونگے ہو گئے تھے۔

جس شخص کی زبان اسرار الٰہی کے متعلق خاموش نہیں رہ سکتی وہ حریم قدس کا محرم راز نہیں ہو سکتا۔ وہ کتنا متبرک اور مقدس نام ہے جسکی تعریف میں کئی باب عرش اعظم کی پیشانی پر لکھے ہوئے ہیں۔ اس نام پر میری جان قربان ہو اور میں پیہم اسی مبارک نام کو ورد زبان رکھتا ہوں۔

وہ نام کتنا اچھا اور خوبصورت ہے اور نام والا (مسمّٰی) کتنا اچھا اور خوبصورت ہے۔

اس کے نام کے بغیر اور کوئی اسم اعظم نہیں ہے۔

اگر میں اس کے عشق میں مستانہ نعرہ ماروں تو دنیا اور دین دونوں مست ہو جائیں گے۔

شرف نے اس کی صورت پاک میں "رب لم یزل" کے حسن و جمال کو صحیح و سالم شکل میں دیکھا ہے۔

غزل (68)

پردہ بردار کہ ما روئے چوں مہرت نگریم
ورنہ از آہ جگر پردۂ عالم بدریم

پردہ بردار کہ بینیم دو ابروئے ترا
پیش شمشیر تو ما جملہ سراسر سپریم

آتش جلوۂ تو خرمن ارواح بسوخت
لیک با ما چہ تواں کرد کہ کو تہ نظریم

پرتو روئے تو خود می بدرد پردۂ خویش
پس چرا روئے ترا ما پس پردہ نگریم

برتر از ہر جہان است جمال تو کہ ما
پیش روئے تو دوعالم بہ یکے جو نخریم

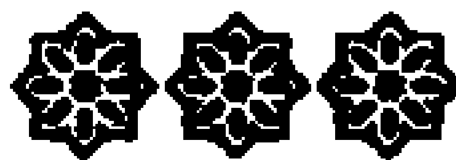
ما خبر گوئے جمال تو بعالم شدہ ایم
گرچہ ازجلوۂ دیدار تو ما بے خبریم

طعنۂ دشمن و تحسین رفیقاں شنویم
لیکن از جا نرویم و بہ تغافل گزریم

مردہ ہر گز نبود آنکہ بمیرد درعشق
کشتۂ ناز ترا زندۂ دایم شمریم

نیست فردوس بریں ہمسر کوئے تو کہ ما
راہ بکوئے تو بفردوس بریں می نبریم

بوعلی راہ ملامت رہ مردان خدا است
سے نشاید کہ چنیں راہ بہ نفرت سپریم



(68)

پردہ اٹھا دو تا کہ ہم تیرے سورج جیسے مکھڑے کو دیکھ سکیں۔ اگر ہماری یہ حسرت پوری نہ ہوئی تو پھر ہم جگر کی آہ سے سارے عالم کے پردے کو پھاڑ دیں گے۔ پردہ اٹھا دو تا کہ ہم تیرے دونوں ابروؤں کو دیکھ سکیں اور تیری ابروؤں کی تلوار کے سامنے اپنا سب کچھ قربان کر دیں۔

تیرے جلوے کی آگ نے ''یوم الست'' میں تمام ارواح کو جلا ڈالا۔ یعنی الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) کہہ کر تمام ارواح کو اپنا دیوانہ بنا لیا چنانچہ تمام ارواح تیرے جلوہ سے مست ہو کر بلیٰ بلیٰ (ہاں جی، ہاں جی) کا نعرہ مارنے لگے۔ لیکن اب ہمارے ساتھ اس عالم ناسوت میں کیا کیا جا سکتا ہے جبکہ ہم کوتاہ نظر ہیں اور اس دنیا میں تیرے جلوے کو نہیں دیکھ سکتے۔

تیرے چہرے کا عکس خود ہی اپنے پردے کو پھاڑ دیتا ہے لہٰذا ہم تیرے چہرے کو پردہ کے پیچھے سے کیوں دیکھیں؟ یعنی عیاں راچہ بیاں

تیرا حسن و جمال ہر جہان سے برتر ہے اس لئے ہم تیرے چہرے کو چھوڑ کر دونوں جہانوں کو ایک جو کی قیمت پر بھی نہیں خریدنا چاہتے۔ یعنی اگر ہمیں دونوں جہان اتنے سستے مل جائیں پھر بھی ہم ان کیلئے تیرے چہرے کو نہیں چھوڑیں گے۔

ہم سارے عالم کو تیرے حسن و جمال کی خبریں بتانے والے ہیں۔ اگرچہ ہم خود ابھی تیرے دیدار کے جلوہ سے بے خبر ہیں۔

ہم اگرچہ دشمنوں کے طعنے اور دوستوں کی تعریفیں سنتے ہیں لیکن پھر بھی ہم یہ طعنے اور تعریفیں سن کر آپے سے باہر نہیں ہوتے بلکہ سنی ان سنی کر کے آگے گزر جاتے ہیں جو شخص عشق میں مر جائے وہ مردہ ہرگز نہیں ہوتا اس لئے تیرے ناز سے قتل شدہ کو ہم ہمیشہ زندہ ہی سمجھتے ہیں بقول نظیریؒ نیشاپوری۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اور بقول احمد جامؒ زندہ پیل:۔

کشتگان خنجر تسلیم را

ہر زماں از غیب جانے دیگر است

چونکہ فردوس بریں تیرے کوچے کے ہم پلہ نہیں ہے اس لئے ہم تیرے کوچہ سے بہشت کی طرف جانے والی سڑک پر نہیں چلیں گے۔ اے بوعلی! ملامت کا راستہ مردان خدا کا راستہ ہے اس لئے اس راستہ کو بد دلی سے طے نہیں کرنا چاہئے۔ یعنی راہ عشق میں سنگ ملامت کو محبت کا پھول ہی سمجھنا چاہئے۔

غزل(69)

روز باخوش پسراں نرد وفا می بازم
شب ہمہ شب بہ شرابے و بشمعے سازم
بے خبر از دوجہاں کرد مرا جلوۂ دوست
بدوعالم ز رخ دوست نمی پروازم
سجدہ درپیش تو آوردم و مسجود شدیم
کہ دریں سجدہ ملائک نہ شود انبازم
دارم از سوزوگداز غم او پیش نظر
باید اول کہ سرخویش چوں شمع اندازم
مرغ عشقم کہ مرا دانۂ توحید دہند
زیر ہر کنگرۂ عرش بود پروازم
موجے از جلوۂ او برد بناگاہ مرا
بود انجام رہ اہل نظر آغازم
گاہے بایں دام گہہ حادثہ پرواز کنم
منکہ از اوج سرعرش یکے شہبازم
گے شوم مدعی کشف کہ شرکیست خفی
نشود گاہ بہ طامات بلند آوازم
نہ منم عارف و عالم نہ منم عاشق و رند
ہرزہ گویند ہمہ بے خبراں از رازم
بوعلی نہ سرخود برکشم از راہ جفا
من کہ در زمرۂ ارباب وفا ممتازم



(69)

دن کو میں اچھے دوستوں کے ساتھ وفا کی شطرنج کھیلتا ہوں اور ساری رات شراب معرفت پینے اور عشق حقیقی کی بازی لگانے میں گزار دیتا ہوں۔ دوست کے جلوہ نے مجھے ہر دو جہان سے بے خبر کر دیا ہے لہٰذا میں دوست کے چہرہ کو نظر انداز کر کے دو جہانوں میں مشغول نہیں ہونا چاہتا۔ خوش پسران کا لفظ جلوہ سے استعارہ ہے۔ ہم بروز میثاق (بروز الست) تیرے سامنے سجدہ کر کے مسجود ملائکہ ہو گئے۔ روز میثاق میں جو سجدہ میں نے تمہیں کیا تھا اس میں فرشتے شریک نہیں تھے۔ (کیونکہ فرشتے اس وقت تخلیق نہیں ہوئے تھے)

میرے پیش نظر ہمیشہ محبوب حقیقی کے غم کا سوز و گداز رہتا ہے لہٰذا مجھے سب سے پہلے اپنے سر کو شمع کی طرح کاٹ کر پھینک دینا چاہیے۔ میں عشق کا ایسا پرندہ ہوں کہ قضا و قدر مجھے توحید کا دانہ (کھانے کیلئے) دیتے ہیں۔ کیونکہ عرش کے ہر کنگرے کے نیچے میری پرواز ہوتی ہے۔ محبوب کے جلوہ کی موج اچانک مجھے کہاں سے کہاں لے گئی حتیٰ کہ اہل نظر کی راہ کی انتہا میرے لئے نکتہ آغاز ہے۔

میں جو کہ عرش کی بلندیوں کا ایک شہباز ہوں، حادثات کی دام گاہ یعنی عالم حوادث میں کیسے پرواز کروں؟ کیونکہ یہ دنیا میری پرواز کی جگہ نہیں ہے بلکہ میں عرش پر اڑنے والا شہباز ہوں۔

میں کشف کا مدعی کیسے بنوں؟ کیونکہ کشف کا دعویٰ کرنا تو شرک خفی ہوتا ہے میں اپنی شیخی بگھار کر اور ڈینگیں ہانک کر کبھی مشہور نہیں ہونا چاہتا، نہ میں عارف ہوں نہ عالم ہوں نہ عاشق ہوں اور نہ ہی رند ہوں۔ تمام بے خبر لوگ میرے رازوں کے بارے میں بے سروپا باتیں کہتے ہیں۔

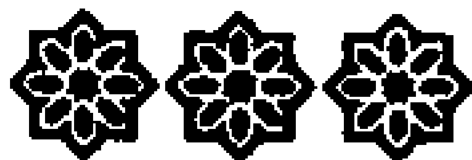
اس تخیل کو مرزا غالب نے ایک دوسرے انداز سے بیان کیا ہے۔

ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے
بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا

اے بوعلی! میں ظلم کا راستہ اختیار کر کے مشہور نہیں ہونا چاہتا کیونکہ میں ارباب وفا میں سے امتیازی حیثیت رکھتا ہوں۔

غزل(70)

اگر رندم اگر من بت پرستم
قبولم کن خدایا ہرچہ ہستم
بتے دارم درون سینۂ خویش
کہ روز و شب من آں بت می پرستم
بہ ہوشم ناآورد ہنگامۂ حشر
کہ من بدمست از روز الستم
ندارم ننگ و عار از بت پرستی
کہ یارم بت بود من بت پرستم
بہ پیچ و تاب عشق افتادم آنگہ
دل اندر زلف پیچان تو بستم
خمارم نشکند آید اجل گر
کہ از جام شراب شوق مستم
شرف چوں نرگس مثلش بدیدم
بمستی ساغرو مینا شکستم



(70)

خواہ میں رند ہوں یا بت پرست ہوں اے خدا! جو کچھ بھی ہوں مجھے قبول کر لیجئے۔

میں اپنے سینہ میں ایک بت رکھتا ہوں اور رات دن اس بت کی پوجا کرتا رہتا ہوں۔

مجھے ہنگامہ محشر بھی ہوش میں نہیں لائے گا کیونکہ میں روز الست سے مست اور متوالا چلا آ رہا ہوں۔ مجھے بت پرستی سے کوئی شرم اور عار محسوس نہیں ہوتی کیونکہ میرا محبوب گویا بت ہے اور میں گویا بت پرست ہوں۔

چونکہ میں عشق کے پیچ و تاب میں پھنسا پڑا ہوں اس لئے میرا دل تیری زلف گرہ گیر میں جکڑا ہوا ہے۔

اگر موت بھی آ جائے تو وہ میرے خمار اور نشہ کو نہیں توڑ سکتی کیونکہ میں تیرے عشق کے جام شراب سے مست ہو چکا ہوں۔

اے شرف! جب میں نے اسکی تصویر کی نرگسی آنکھوں کو دیکھا تو میں نے مستی میں آ کر ساغر اور صراحی کو توڑ ڈالا (کیونکہ قلندر رسمی پابندیوں سے آزاد ہوتا ہے)

غزل(71)

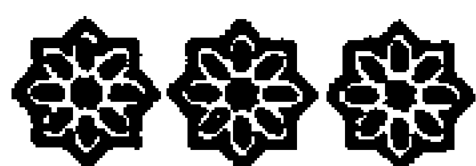
منم محو جمال او نمی دانم کجا رفتم
شدم غرق وصال او نمی دانم کجا رفتم

غلام روئے او بودم اسیر موئے او بودم
غبار کوئے او بودم نمی دانم کجا رفتم

بآں مہ آشنا گشتم زجان و دل فدا گشتم
فنا گشتم فنا گشتم نمی دانم کجا رفتم

شدم چوں مبتلائے او نہادم سر بہ پائے او
شدم محو لقائے او نمے دانم کجا رفتم

قلندر بوعلی ہستم بنام دوست سرمستم
دل اندر عشق او بستم نمی دانم کجا رفتم



(71)

میں محبوب حقیقی کے حسن و جمال کے نظارہ میں محو ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میں کہاں ہوں؟ میں اس کے وصال میں مستغرق ہوں میں نہیں جانتا کہ میں کہاں ہوں؟

میں اس کے چہرے کا غلام ہوں اور اسکی زلفوں کا قیدی ہوں۔ میں اس کے کوچہ کا غبار ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ میں کہاں ہوں؟ میں اس ''ماہ رو'' کا دوست ہو گیا ہوں اور جان و دل کے ساتھ اس پر قربان ہوں۔ میں بالکل فنافی اللہ ہو گیا ہوں، فنافی اللہ ہو گیا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ میں کہاں ہوں؟ جب میں اس کا عاشق ہو گیا ہوں تو میں نے اپنا سر اس کے پاؤں پر رکھ دیا ہے میں اس کے دیدار میں محو ہو گیا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ میں کہاں ہوں؟

غزل(72)

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم
گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

گرشبے دست دہد وصل تو از غایت شوق
تا قیامت نشود، صبح دمیدن ندہم

گر بیاید ملک الموت کہ جانم ببرد
تا نہ بینم رخ تو روح رمیدن ندہم

گرمرا برسرکوئے تو بود دسترسے
غیر را برسر کوئے، تو رسیدن ندہم

نذر دیدار تو گرؒ ملک دوعالم بدہند
یعلم اللہ کہ سرموئے تو دیدن ندہیم

اگرآں طائر قدسی فتد اندر دامم
گرچہ صدحملہ کند باز پریدن ندہم

شرف ار باد و زد بوئے ز زلفش ببرد
باد را نیز دریں دہر و زیدن ندہم



(72)

مجھے آنکھوں سے بھی غیرت آتی ہے اس لئے میں تیرا چہرہ اپنی آنکھوں کو بھی نہیں دکھانا چاہتا اور اسی طرح اپنے کانوں کو بھی تیری میٹھی میٹھی باتیں سنانا نہیں چاہتا۔ اگر کسی رات تیرا وصال نصیب ہو جائے تو وفور عشق کی وجہ سے جب تک قیامت نہیں ہو جائیگی اس وقت تک صبح صادق نہیں ہونے دونگا۔

جب ملک الموت میری روح قبض کرنے کیلئے آے گا تو جب تک میں تیرا دیدار نہیں کرونگا اس وقت تک اپنی روح کو پرواز نہیں کرنے دونگا۔

اگر مجھے تیری گلی میں پہنچنے کی دسترس حاصل ہو جائے تو میں کسی کو تیری گلی میں نہیں آنے دونگا۔

اگر کوئی تیرے دیدار کے عوض میں مجھے دونوں جہان کی سلطنت بھی دیدے تو اللہ جانتا ہے کہ میں تیرا ایک بال بھی اسے دیکھنے نہیں دونگا۔

اگر وہ عالم قدس کا پرندہ حسن اتفاق سے کبھی میرے پھندے میں پھنس جائے تو خواہ وہ اڑنے کی ہزار کوشش کرے میں اسے اڑنے نہیں دونگا۔ بلکہ اسے اپنے پھندے میں پھنسا کر ہی رکھونگا۔

اے شرف! اگر ایسی ہوا چلے جو اسکی زلفوں کی خوشبو کو اڑا کر لے جانا چاہے تو میں اس دنیا میں ہوا کو بھی نہیں اڑنے دونگا۔

غزل(73)

دیدہ روئے تو رفتہ از ہوشیم
مست و از خویشتن فراموشیم

گر کنی لطف در روی در خشم
ما غلامیم و حلقہ درگوشیم

رازہا اندرون سینۂ ما است
گرچہ درمجلس تو خاموشیم

یار را ہیچ گاہ نے بینیم
گرچہ با یار ما ہم آغوشیم

ہیچ جا ما نمے کنیم قرار
کہ بعشق تو، خانہ بر دوشیم

تلخی مرگ کے شود محسوس
شربت وصل او اگر نوشیم

اوست در ما و ما درو محویم
پس بہ ورد دعا نمی کوشیم

ہست میخانہ بہتر از فردوس
جام مے را بہ توبہ نفروشیم

دین و دنیا است چوں خس و خاشاک
ماچوں طوفان بحر در جوشیم

ماقلندر روشیم و رند صفات
خرقۂ زاہداں نمے پوشیم

اے شرف ضبط عشق شیوۂ ما است
ہمچوں دیوانگاں نہ بخروشیم

(73)

تیرا چہرہ دیکھ کر ہم بیخود اور وارفتہ ہو گئے اور ایسے مست ہوئے کہ ہمیں اپنے آپ کی بھی سدھ بدھ نہ رہی۔ اے محبوب! خواہ تو ہمارے ساتھ لطف وکرم سے پیش آئے خواہ ہم پر غصہ جھاڑے ہم ہر حال میں تیرے غلام اور تیرے حلقہ بگوش ہی رہیں گے۔ یعنی ہمارے کانوں میں تیری غلامی کا حلقہ پڑا ہی رہے گا۔

اگر چہ تیری مجلس میں ہم خاموش بیٹھے ہوتے ہیں۔ پھر بھی تمام سربستہ راز ہمارے سینہ میں محفوظ ہیں۔

اگر چہ ہم اپنے محبوب کے ہم آغوش ہوتے ہیں اس کے باوجود ہم اس کا دیدار نہیں کر پاتے۔

ہمیں کسی جگہ چین وقرار حاصل نہیں ہے کیونکہ ہم تیرے عشق کی وجہ سے خانہ بدوش بنے ہوئے ہیں۔ اگر اس کے وصل کا شربت ہمیں نصیب ہو گیا تو پھر ہمیں موت کی تلخی محسوس نہیں ہوگی۔

وہ ہمارے اندر ہے اور ہم اس کے اندر۔ اس کا جمال دیکھنے میں محو ہیں اس لئے ہم اسے بار بار بلانے کی کوشش نہیں کرتے۔

ہمارے نزدیک معرفت کا شراب خانہ، بہشت سے بہتر ہے اس لئے ہم شراب معرفت کے جام کو توبہ کے عوض میں فروخت نہیں کرتے

دین و دنیا تو خس و خاشاک کی مانند ہے جبکہ ہم دریا کے طوفان کی طرح جوش میں ہیں۔

ہم قلندر ہیں اور رندوں کی صفات رکھتے ہیں لہٰذا ہم زاہدوں کے ریاکارانہ لبادے اور خرقے نہیں پہنتے۔ اے شرف! عشق کو ضبط کرنا ہمارا اصول ہے لہٰذا ہم دیوانوں کی طرح بیکار بڑھکیں نہیں مارتے

غزل(74)

ما بعشق تو ناتواں شدہ ایم
جسم بودیم ہمچوں جاں شدہ ایم
تا بچشم تو جائے خود کردیم
ما ز چشم جہاں نہاں شدہ ایم
ما زیک جرعۂ مئے شوقش
باز پیرانہ سرجواں شدہ ایم
نیست پروائے آب و ناں مارا
ما بخوان کہ مہماں شدہ ایم
زاں زماں کو برآستاں بنشاند
دربلندی چوں آسماں شدہ ایم
نیست پروائے دوجہاں مارا
تا بوصل تو کامراں شدہ ایم
تا نشان تو یافتیم بعشق
ما دریں دہر بے نشاں شدہ ایم
زیر تیغ تو سرچوں بنہادیم
درخور عمر جاوداں شدہ ایم
ترک دنیا و دیں چوں بنمودیم
غافل از سود و از زیاں شدہ ایم
شرف اندر ہوائے جلوۂ دوست
فارغ از دوزخ و جناں شدہ ایم



(74)

ہم تیرے عشق میں بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ہم پہلے بڑے جسیم اور فربہ ہوا کرتے تھے مگر اب صرف روح ہی روح بن گئے ہیں یعنی جسمانی اور مادی کثافت ختم ہو گئی ہے اور اب روح کی طرح مجسمۂ لطافت بن گئے ہیں۔ جب سے ہمیں تیری آنکھوں میں جگہ ملی ہے ہم تمام جہان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔ ہم اس کی شراب عشق کے ایک گھونٹ سے ہی اس بڑھاپے میں پھر دوبارہ نوجوان ہو گئے ہیں۔

نجانے ہم کس میزبان کے دسترخوان پر مہمان ہوئے ہیں کہ ہمیں روٹی اور پانی کا کوئی فکر نہیں رہا۔اس شعر میں قلندرانہ توکل کو نہایت خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

جس گھڑی میرے محبوب نے مجھے اپنے دروازہ پر بٹھایا ہماری شان وشوکت بلندی میں آسمان کو چھونے لگی ہے۔ جب سے ہمیں تیرا وصال نصیب ہوا ہے ہمیں دونوں جہان کی کوئی پرواہ نہیں رہی۔ جب سے ہم نے تیرے عشق کے طفیل تیرا نشان پایا ہے ہم خود اس زمانے میں بے نشان ہو گئے ہیں۔یعنی اپنے وجود کی نفی کرنے سے ہی محبوب حقیقی کا نشان ملتا ہے۔حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے اس نکتہ کو یوں بیان فرمایا ہے:۔

تا بہ جاروب ''لا'' نروبی راہ
نہ رسی درسرائے ''الا'' ''اللہ''

ایک اور شاعر نے اس خیال کو یوں باندھا ہے۔

تا خاک ترا کوزہ نہ سازند کلالاں
ہرگز بہ لب لعل نگارے نرسی

یعنی جب تک کمہار تیری مٹی کو کوزہ نہیں بنائیں گے اس وقت تک تم کسی محبوب کے لبوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔حضرت بوعلی قلندر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی مثنوی میں اس حقیقت کو یوں پیش کیا ہے۔

چوں الف در لام می گردد نہاں
خویش را گم ساز تا گردی عیاں

یعنی جس طرح ''اللہ'' کے لام میں الف پوشیدہ ہو جاتا ہے اسی طرح تم بھی اپنے وجود کو ختم کر دو تا کہ تم عیاں ہو سکو۔ جب سے ہم نے اپنے سر کو تیری تلوار کے نیچے رکھ دیا ہے ہم ابدی زندگی کے مستحق ہو گئے ہیں۔ جب سے ہم نے محبوب حقیقی کے عشق میں دین اور دنیا دونوں کو خیر باد کہا ہے، ہم نفع و نقصان دونوں سے بے نیاز ہو چکے ہیں۔ اے شرف! ہم محبوب کے جلوہ کے شوق میں بہشت اور دوزخ دونوں سے فارغ اور دستبردار ہو چکے ہیں۔

غزل

(75)

چونکہ اندر سجدہ پیش خم ابروے تو ایم
درنماز عشق رو بنمودہ ما سوے تو ایم

نیست مارا حوروغلمان و پری اندر نظر
چونکہ از روز ازل ما عاشق روے تو ایم

پاے در زنجیر ما باشیم و اندر پیچ و تاب
زانکہ از روز ازل وابستۂ موے تو ایم

سرخرو ہرگز نمی آریم پیش ہرکسے
ما کہ سراندر کمند یاد گیسوے تو ایم

جام مے ہرگز نے نوشیم وگل را نشنویم
بیخود از روے تو ایم و مست ازبوے تو ایم

جرعۂ از مے کرامت گر کنی، پیرمغاں!
ہر کجا باشیم روزوشب دعاگوے تو ایم

اے کہ قہرتست از مہرکساں خوشتر بسے
گر بدانی ور نجوانی مارضا جوے تو ایم

در مذاق ما گوارا تلخئ ہجر تو نیست
ما کہ عادت کردۂ شیرینئ خوے تو ایم

واعظ در مارا کند ترغیب جنت ہرزہ گواست
ما کہ ہمچوں بوعلی افتادہ درکوے تو ایم



(75)

چونکہ ہم سجدہ کی حالت میں تیرے ابرو کی محراب کے سامنے ہوتے ہیں اس لئے ع
کی نماز پڑھتے وقت ہم نے تیری طرف منہ کیا ہوا ہوتا ہے۔
چونکہ ہم روز ازل سے تیرے ہی چہرے کے عاشق ہیں اس لئے ہماری نظروں
حور و غلماں اور پری کی کوئی کشش نہیں ہے۔
چونکہ ہم روز ازل سے ہی تیری زلفوں سے وابستہ ہیں اس لئے ہمارے پاؤں
تیری محبت کی زنجیر پڑی ہوئی ہے اور ہم ہمیشہ تیرے عشق کے پیچ و تاب میں رہتے ہیں۔
چونکہ ہمارا سر تیری زلفوں کی یاد کے پھندے میں پھنسا ہوا ہے اس لئے ہم کسی
آگے اپنے سر کو نہیں جھکاتے۔ چونکہ ہم تیرے چہرے کے حسن سے بیخود اور تیری خوشبو سے م
ہو چکے ہیں اس لئے نہ تو ہم شراب کا جام پیتے ہیں اور نہ گلاب کے پھول کو سونگھتے ہیں۔ (یعنی
ہم دنیاوی مستی اور خوشبو سے بے نیاز ہو چکے ہیں)
اے پیر مغاں! اگر آپ شراب معرفت کا ایک گھونٹ مجھے عطا کریں تو میں جہاں
بھی ہونگا۔ رات دن آپ کا دعا گو ہی رہونگا۔
اے محبوب! لوگوں کی محبت سے مجھے تیرا غصہ بھی کہیں زیادہ پیارا لگتا ہے خواہ تو
اپنے پاس بلا لے یا مجھے دھتکار دے۔ دونوں صورتوں میں مجھے تیری رضامندی ہی مطلوب ہے

ے مرضی مولا از ہمہ اولیٰ

چونکہ ہم تیری میٹھی عادت کی مٹھائی کے عادی ہو چکے ہیں اس لئے تیری جدائی
ہمارے ذوق کو منظور نہیں ہے۔ ہم جو کہ بوعلی کی طرح تیرے کوچہ میں پڑے ہیں اس لئے
واعظ ہمیں جنت کی رغبت دلاتا ہے تو وہ نا سمجھ ہے۔

ن

غزل(76)

عاشقا خیزوگام در رہ زن
عقل باشد دریں سفر رہ زن

گر نہ مرد گرد عشق مگرد
چوں مخنث ز دور وہ وہ زن

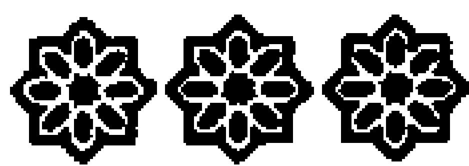
خرمن صبررا بآتش دہ
طعنہ بر روئے عقل ابلہ زن

ہر بلائے کہ آیدت از عشق
برسرآں راہگیر و قہقہ زن

مصر خواہی چوں یوسف کنعاں
خیمۂ اعتکاف در چہ زن

جاں دراندازو راہ جاناں گیر
برتر از کائنات خرگہ زن

دست برکش شرف ز جاں اول
گام در راہ عشق و انگہ زن



(76)

اے عاشق! اٹھو اور عشق کے راستہ پر گامزن ہو جاؤ کیونکہ اس عشق کے سفر میں عقل
راہزن ہوتا ہے۔ اگر تم مرد نہیں ہو تو عشق کا راستہ اختیار نہ کرو بلکہ ہیجڑوں کی طرح دور سے ہی
واہ کرتے رہو۔ راہ عشق میں صبر کے خرمن کو آگ لگا دو۔ اور دیوانے! عقل کے چہرہ پر نیزہ مارو۔
عشق کی وجہ سے جو مصیبت بھی آئے اسے اپنے سر پر اٹھا لو اور پھر خوشی سے قہقہ
لگاؤ۔ اگر تم یوسف کنعان کی طرح معرفت کا مصر چاہتے ہو تو پھر کنوئیں کے اندر اعتکاف کی حال
میں خیمہ زن ہو جاؤ۔

اپنی جان کو قربان کر دو اور پھر محبوب حقیقی کے راستہ پر چل پڑو۔ ماسوی اللہ سے بے
ہو جاؤ اور کائنات سے مافوق یعنی بالاتر اپنا خیمہ گاڑ دو۔ اے شرف! پہلے اپنی جان سے دستبردار
جاؤ اور پھر عشق کے راستہ میں قدم رکھو۔

غزل (77)

دانی کہ چیست دنیا دل از خدا بریدن
جز عشق او گزیدن جز ذکر او شنیدن

دانی کہ چیست مستی در عشق نازنیناں
ہم دست و پا فشاندن ہم پیرہن دریدن

دانی کہ چیست لذت در عہد زندگانی
بوئے سرش شنیدن لعل لبش چشیدن

دانی کہ چیست لازم آں شوخ نوجواں را
چوں گل بخندہ بودن چوں سرو نو، چمیدن

دانی کہ چیست مطلب از عشق عاشقاں را
ہم سوئے یار رفتن ہم روئے یار دیدن

دانی کہ چیست مطلب از عشق تو شرف را
نشتر بدل شکستن از دیدہ خوں چکیدن



(77)

کیا تم جانتے ہو کہ دنیا کیا چیز ہے؟ سنو دل کو خدا تعالیٰ سے ہٹا لینے کا نام دنیا ہے۔ اللہ کے عشق کے بغیر کسی دوسری چیز سے عشق کرنے اور اللہ کے ذکر کے بغیر کسی اور کا ذکر کرنے کا نام دنیا ہے۔

کیا تم جانتے ہو کہ مستی کیا چیز ہے؟ سنو! محبوب حقیقی کے عشق میں رقص کرنا اور اپنے غرور کے لباس کو پھاڑ دینے کا نام مستی ہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ لذت کیا چیز ہے؟ سنو! اپنی زندگی میں محبوب حقیقی کی زلفوں کی خوشبو کو سونگھنے اور اس کے لبوں کی شیریں گفتاری کا ذائقہ چکھنے کا نام لذت ہے۔

کیا تم جانتے ہو کہ اس نوجوان محبوب میں کونسی خاص خوبیاں ہیں سنو! گلاب کے پھول کی طرح کھلکھلانا اور تازہ سرو کے درخت کی طرح ناز و انداز سے چلنا اسکی خاص خوبیاں ہیں۔

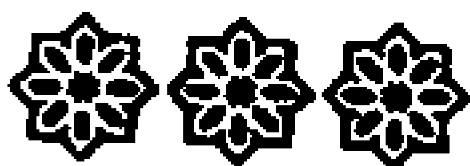
کیا تم جانتے ہو کہ عشق سے عاشقوں کا کیا مقصد ہوتا ہے؟ سنو یار کی طرف جانا اور یار کے چہرے کو دیکھنا ان کا مقصد ہوتا ہے۔

اے محبوب! کیا تو جانتا ہے کہ تجھ سے عشق کرنے میں شرف کا کیا مقصد ہوتا ہے؟ سنو اپنے دل میں نشتر چبھو کر اسے توڑ دینا اور اپنی آنکھوں سے خون کے آنسو بہانا اس کا مقصد ہوتا ہے۔ اس سے ملتے جلتے تخیل کو مرزا غالب نے یوں بیان کیا ہے۔

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

غزل(78)

رخت از زاہد و واعظ بپوشاں
طلب کن جام مئے از مئے فروشاں
دہد ہاتف ندا ہر نوجواں را
بنوش از بادہ جامے و نبوشاں
لبم از ضبط فریاد است خاموش
دلم ز اسرار عشق تست جوشاں
نیاید درنظر از عاشقانش
چوں من رند و سیہ مست و خروشاں
گر اے زاہد ترا مطلوب کشف است
بیا در صحبت ما درد نوشاں
صفا دیدم صفا در میکساراں
ریا دیدم ریا درخرقہ پوشاں
اگرچہ برسرش خنجر ببارد
قلندر در رضائے تست کوشاں



(78)

اے قلندر! واعظ اور زاہد سے اپنے چہرے کو چھپا کر رکھو یعنی ریاکار واعظوں اور زاہدوں سے الگ تھلگ رہو۔ معرفت کی شراب دینے والوں سے شراب معرفت کا جام حاصل کرو۔ ہاتف غیبی ہر نوجوان کو یہ آواز دے رہا ہے کہ شراب معرفت کا جام خود بھی پیو اور دوسروں کو بھی پلاؤ۔

میرے لب فریاد کو ضبط کر لینے کی وجہ سے بالکل خاموش ہیں لیکن میرا دل تیرے عشق کے رازوں کی وجہ جوش کھا رہا ہے اور ابل رہا ہے۔

اس محبوب کے عاشقوں میں سے میری طرح اور کوئی رند، متوالا اور جوشیلا عاشق نظر نہیں آتا۔ اے زاہد! اگر تم کشف حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہم شراب معرفت کی تلچھٹ پینے والوں کی صحبت میں بیٹھو (یہ یاد رہے کہ تلچھٹ تلخ بھی زیادہ ہوتی ہے اور اس کا نشہ بھی زیادہ ہوتا ہے لہٰذا قلندر اپنی مستی کو تلچھٹ کے نشہ سے تعبیر کرتے ہیں)

شراب معرفت پینے والوں میں، میں نے صفائی قلب دیکھی ہے جبکہ خرقہ پوشوں میں عموماً ریاکاری دیکھتا ہوں۔ (الا ماشاءاللہ)

خواہ قلندر کے سر پر خنجر بھی چل جائے پھر بھی وہ ہمیشہ تیری رضا میں کوشاں رہتا ہے

دل مکن از فکر باطلہا سیاہ
از خدا غیر از خدا دیگر مخواہ

(بوعلی قلندرؒ)

غزل(79)

تو گر بے ہمسری در مہ جبیناں
چوں ما ہرگز نہ بینی پاک بیناں

نہ امیدے مرا از دوستداراں
نہ پروائے مرا از نکتہ چیناں

گداز اندر دلت گرہست اے شیخ
چرا رو می کشی از ناز نیناں

کشیدہ پردہ بر رخ می نشینی
تغافل می کنی باہمنشیناں

گزر در خانقہ چوں کرد آں شوخ
دلم پر شد ز کوتہ آستیناں

دل افگندیم اندر بیم عشقش
نمی داریم عقل پیش بیناں

قلندر مشربی اے بوعلی گر
مرو در صحبت عزلت نشیناں



(79)

اگر تم مہ جبینوں اور محبوبوں میں بے نظیر اور بے مثال ہو تو ہماری طرح پاکیزہ نظروں والا تم کوئی اور نہیں دیکھو گے۔ یعنی ہماری نظریں بہت پاک ہیں اور ہم پاک نظروں سے تمہیں دیکھتے ہیں۔ مجھے نہ تو دوستوں سے کچھ امیدیں وابستہ ہیں اور نہ ہی نکتہ چینی کرنے والوں کی مجھے کوئی پرواہ ہے۔

اے شیخ! اگر تیرے دل میں سوز و گداز ہے تو پھر تم محبوبوں اور نازنینوں سے کیوں روگردانی کرتے ہو۔ (معلوم ہوتا ہے کہ تم ان سے اس لئے روگردانی کرتے ہو کہ تمہارے دل میں کوئی فتور ہے اور تمہاری نظروں میں بھی کوئی خرابی ہے)

اے محبوب! تم اپنے چہرہ پر پردہ ڈال کر بیٹھتے ہو گویا اپنے ہم نشین دوستوں سے غفلت برتتے ہو۔

وہ محبوب جب ہم درویشوں کے مکان میں تشریف لایا تو میرا دل پست ہمت اور ناعاقبت اندیش رقیبوں سے بھر گیا یعنی پست ہمت اور حاسد رقیب رشک سے آتش زیر پا ہو گئے۔

ہم نے اس کے عشق کے خوف میں اپنے دل کو خود ہی اس کے آگے پھینک دیا کیونکہ دور اندیش عقل ہمارے پاس نہیں تھا۔ (یعنی جب چور اور راہزن آ جائے تو عقلمند آدمی اپنی رقم یا مال کو ان سے چھپا لیتا ہے مگر ہم نے عشق سے ڈر کر اپنے قیمتی اثاثے (دل) کو خود ہی محبوب کے آگے پھینک دیا)

اے بوعلی! اگر تمہارا مشرب قلندروں والا ہے تو پھر خلوت نشینوں کی صحبت میں نہ جاؤ (کیونکہ قلندر خلوت پسند نہیں ہوتے بلکہ جلوت پسند ہوتے ہیں)

ے خلوت کی گھڑی گزری جلوت کی گھڑی آئی
چھٹنے کو ہے بجلی سے آغوش سحاب آخر

(ڈاکٹر اقبالؒ)

غزل(80)

اے ثنایت رحمتہ للعالمین
یک گدائے فیض تو روح الامیں
اے کہ نامت را خدائے ذوالجلال
زد رقم بر جبہۂ عرش بریں
آستان عالیٔ تو بے مثل
آسمانے ہست بالائے زمیں
آفریں بر عالم حسن تو باد
مبتلائے تست عالم آفریں
یک کف خاک از در پرنور او
ہست مارا بہتر از تاج و نگیں
خرمن فیض ترا اے ابر فیض
ہم زمین و ہم زماں شد خوشہ چیں
از جمال تو ہمی بینیم ما
جلوہ در آئینۂ عین الیقیں
خلق را آغاز و انجام از تو ہست
اے امام اولین و آخریں
غیر صلوات وسلام و نعت تو
بوعلی را نیست ذکر دلنشیں



(80)

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی نعت یہ ہے کہ آپ تمام جہانوں کیلئے رحمت ہیں اور روح الامین یعنی جبرائیل علیہ السلام آپ کے فیض کا گداگر ہے۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدائے ذوالجلال نے آپ کے اسم مبارک کو عرش بریں کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے آپ کا آستانہ عالیہ بے مثال اور بے مثل ہے۔ گویا آپ کا آستانہ زمین کے اوپر ایک آسمان ہے۔

آپ کے حسن و جمال کے عالم پر آفرین ہے کہ جہان کو پیدا کرنے والا خود تیرا عاشق اور دلدادہ ہے۔

آپ کے پرانوار دروازے کی مٹھی بھر خاک ہمارے لئے تاج و تخت سے بہتر اور افضل ہے۔

اے فیض رساں بادل! زمین اور زماں دونوں آپ کے خرمن فیض کے خوشہ چیں ہیں ہم عین الیقین کے آئینہ میں تیرے حسن و جمال کا جلوہ دیکھ رہے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ کسی چیز کو دیکھنے کے بعد نہایت یقین کے ساتھ بخوبی دریافت کر لینے کو عین الیقین کہتے ہیں۔

آپ امام اولین اور امام آخرین ہیں اور تمام کائنات کا آغاز اور انجام آپ کی وجہ سے ہی ہے۔

آپ پر درود و سلام بھیجنا اور آپ کی نعت کہنا ہی بوعلی کے نزدیک سب سے افضل اور دلآویز کرتا ہے۔

غزل (81)

از بشر تا بملائک ہمہ دیوانۂ تو
برلب ہرکس و ناکس بود افسانۂ تو

ہمہ از مستی و رندی شدہ رقصاں بہ فضا
ذرہ ذرہ شدہ بدمست ز پیمانۂ تو

تاقیامت نہ بخویش آید و از ہوش رود
ہرکہ آرد بہ نظر جلوۂ مستانۂ تو

عشق آمد کہ دراں شمع جمال افروزد
چوں دل عاشق صادق شدہ کاشانۂ تو

سوخت از شمع جمال تو پر و بال آں را
طائر سدرہ نشیں چوں شدہ پروانۂ تو

آنکہ گوید بزباں حرفے ز اوصاف ترا
ہست نامحرم راز تو و بیگانۂ تو

لامکاں ہم ز مکاں تو پس پشت بماند
دیدنی ہست شرف ہمت مردانۂ ما



(81)

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بشر سے لیکر فرشتوں تک سب آپ ﷺ کے دیوانہ عاشق ہیں اور ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر آپ ﷺ کا ذکر خیر ہے۔ ہر ایک ذرہ آپ کی شراب عشق کے پیانہ (جام) سے بدمست اور متوالا ہو چکا ہے۔ لہٰذا تمام ذرات مستی اور رندی کی وجہ سے فضا میں رقص کر رہے ہیں۔

جو شخص آپ ﷺ کے جلوۂ مستانہ کو ایک نظر سے دیکھے گا وہ قیامت تک اپنے ہوش و حواس کو کھو بیٹھے گا اور اسے اپنے آپ ﷺ کی کوئی سدھ بدھ نہیں ہوگی۔

جب آپ ﷺ کے سچے عاشق کا دل آپ کی رہائش گاہ بنے گا تو پھر آپ ﷺ کا عشق وہاں آپ ﷺ کے حسن و جمال کی شمع کو روشن کرے گا۔

جب سدرۃ المنتہیٰ پر بیٹھنے والا پرندہ آپ ﷺ کے حسن کی شمع کا پروانہ بنا تو آپ ﷺ کے حسن و جمال کی شمع نے اس کے پروں کو جلا کر رکھ دیا۔

فائدہ:۔ اس شعر میں طائر سدرہ نشیں سے حضرت جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں جن کی ترجمانی شیخ سعدیؒ نے اپنی کتاب بوستان میں اس شعر سے کی ہے:۔

؎ اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

جو بھی آپ کے اوصاف حسنہ کے بارے میں کچھ لب کشائی کرتا ہے وہ دراصل تیرے رازوں سے ناواقف اور بیگانہ ہے۔ چنانچہ مرزا غالب نے اپنے فارسی کلام میں کہا ہے۔

؎ غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
آں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

تیرا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ خود لامکان بھی تیرے مکان اور مرتبہ سے بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ اے شرف! ہماری ہمت مردانہ قابل دید اور قابل داد ہے۔ عزت بخاری کا شعر بھی سماعت فرمائیے

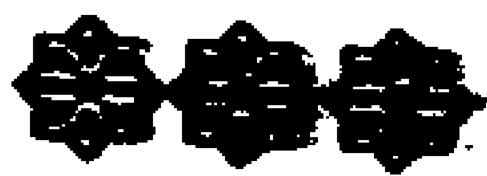
؎ ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

میں عاجز مسکین نے حضرت سعد اللہ مسیحا پانی پتی کے شعر پر تضمین کی ہے چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں میری پیش کردہ نعت یوں ہے۔

؎ "زعشق مصطفیٰ دل ریش دارم
رقابت با خدائے خویش دارم"
ز راہ لطف مارا کن علاجے
کہ زخم دل من درویش دارم
مدد کن یا نبی اللہ خدارا
کہ برخود بارعصیاں بیش دارم
بہ پیش تو چساں روئے نمایم
سیہ رو باسفید ایں ریش دارم
بخواہم گفت فردا بانکیرین
کہ من عشق نبی ﷺ را کیش دارم
نگاہے یا رسول اللہ ﷺ نگاہے!
کہ شوق دید بیش از بیش دارم
ندارم ہیچ سامانے بحشر
یکے مہر تو خیر اندیش دارم
مطیع از نیکی خالی ہست دامن
فقط نعت نبی باخویش دارم

غزل (82)

می زنم فاش در تصور او
نعرهٔ لا الہ الا ہوٗ
عاشقاں سجدہ می کنند او را
ہر کہ از خون دل کنند وضو
زاہدا گر فراغ دل جوئی
برکش از مے دو جام برلب جو
عشق او پارہ پارہ کرد دلم
بادہ جوشید وشد شکستہ سبو
طائر سدرہ را بدام آرد
شاہدِ من بحلقهٔ گیسو
روئے او را بجلوہ می بیند
آنکہ گرداند از دو عالم رو
ما درآں کوئے گرز حد ادب
پائے بیروں نہیم یک سرمو
جان و دل، عقل و علم و دیں ما را
سوزد از برقے از تجلی او
بوعلی در خیال جلوهٔ دوست
می زند باز نعرهٔ یاہو



(82)

میں اپنے محبوب حقیقی کے تصور میں علی الاعلان ''لا الہ الا ہو'' کا نعرہ مار رہا ہوں۔ عاشق لوگ جب دل کے خون سے وضو کرتے ہیں تو تب محبوب حقیقی کو سجدہ کرتے ہیں۔

اے زاہد! اگر تم اطمینان قلبی چاہتے ہو تو پھر نہر کے کنارے پر شراب کے دو جام لنڈھاؤ۔ اس شعر میں نہر سے مراد آنسوؤں کی نہر ہے اور شراب سے مراد شراب معرفت ہے اور دو جام سے مراد محبوب حقیقی کے دو جلوے ہیں یعنی سوز و گداز کے بغیر محبوب حقیقی کا وصال نہیں ہو سکتا۔

مرزا غالب نے اپنے رونے دھونے اور گریہ وزاری کو یوں بیان کیا ہے۔

؎ یونہی گر روتا رہا غالب تو اے اہل جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

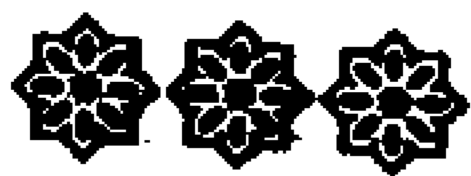
اس کے عشق نے میرے دل کو ٹکڑے ٹکڑے اور پارہ پارہ کر دیا ہے۔ عشق کی شراب جوش کھانے لگی اور شراب کا مٹکہ یعنی میرا دل ٹوٹ گیا۔

میرا محبوب یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زلفوں کے حلقہ میں سدرۃ المنتہیٰ کے پرندے کو یعنی جبرائیل علیہ السلام کو بھی اپنا گرویدہ بنالیتا ہے۔ جب کوئی شخص دونوں جہانوں سے منہ پھیر لیتا ہے تب میرے محبوب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کا جلوہ دیکھنا اسے نصیب ہوتا ہے۔ اگر ہم آداب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی گلی میں بال برابر بھی اپنے پاؤں کو حد ادب سے آگے بڑھائیں گے تو اسکی تجلی کی بجلی سے ہماری جان، ہمارا دل، ہماری عقل، ہمارا علم اور ہمارا دین سب کچھ جل کر راکھ ہو جائیں گے۔

بوعلی اپنے دوست کے جلوہ کے خیال میں پھر ''یا ہو'' کا نعرہ مار رہا ہے۔

غزل(83)

ہمی زد دوش مطرب ایں ترانہ
کہ ایں دنیا فسونست و فسانہ
بکش جامے بر آواز چغانہ[1]
اگر خواہی تو عیش جا و دانہ
بجز یاراں کہ دُردے کش کہ بینی
نمے بینم وفائے در زمانہ
بشو فارغ ز علم و زہد یکدم
بکش یک جرعہ از جام مغانہ
نماید روئے آں حسن جہاں سوز
اگر من خود بنا شم درمیانہ
اگر در خانۂ دل مے نیائی
نمے بینم ترا در ہیچ خانہ
شرفؔ باید سرِ خدمت نہادن
ترا جاوید برآں آستانہ



[1] ایک باجہ ہے۔

(83)

کل رات مطرب (موسیقار یعنی گویا) یہ ترانہ الاپ رہا تھا کہ دنیا ایک افسون ہے اور افسانہ ہے یعنی اسکی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اگر تم ہمیشہ کی زندگی چاہتے ہو تو باجے کی آواز پر شراب پیو۔ واضح رہے کہ چغانہ ایک باجے کا نام ہے۔ استغراق قلبی کی اہمیت کو اس شعر میں بیان کیا گیا ہے۔ تلچھٹ پینے والے یاروں کے بغیر زمانہ بھر میں مجھے اور کہیں وفا نظر نہیں آتی۔

فائدہ:۔ تلچھٹ پینے والوں سے اللہ کے عاشق مراد ہیں۔

اے مخاطب! علم اور زہد سے مکمل طور پر فارغ ہو جاؤ اور عشق کی آگ میں جلنے والوں کی طرح جام معرفت سے ایک گھونٹ پیو۔ واضح رہے کہ آتش پرستوں سے مراد عشق حقیقی کی آگ میں جلنے والے عاشق ہیں۔

تب وہ حسن جہاں سوز اپنا چہرہ مجھے دکھائے گا جب میں اپنے وجود کی نفی کرونگا۔

اے محبوب! اگر تم میرے دل کے کمرے میں نہیں آؤ گے تو پھر میں تمہیں کسی بھی مکان میں نہیں دیکھ سکتا۔ اے شرف! تجھے ہمیشہ محبوب حقیقی کے آستانہ پر اپنے سر خدمت کو جھکا دینا چاہیے۔

ی

غزل (84)

شدم مست و خراباتی ز جاے
نے دانم حلالے یا حراے

نمازے می گزارم درخرابات
نہ اند روے سجودے نہ قیاے

قضاے کفر و ایماں درنوشتم
نہادم چوں براہش یک دو گاے

مۓ ام دہ اے پسر کز پختہ کاری
بہ سوزد رخت ہر مستے و خاے

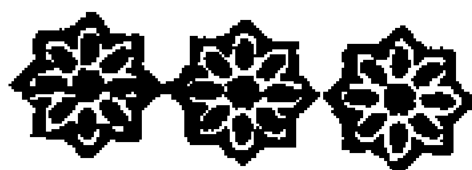
مۓ کز عکس آں جبریل سوزد
نیارد گشت آں را عرش جاے

مرا گر نام زندیقی برآید
چوں مستم نیست نیک از ہیچ ناے

ہماۓ ہمتم کز اوج عرش است
نیفتد ہیچ گہہ در ہیچ داے

چوں تو ہرگز نباشد خواجہ مارا
چوں ما ہرگز ترا نبود غلاے

شرف درشعر تو رندی و مستی است
نگوید چوں تو کس زینساں کلاے



(84)

میں شراب معرفت کا ایک ہی جام پی کر مست اور شرابی ہو گیا لہٰذا میں حلال وحرام کو نہیں جانتا یعنی فنا فی اللہ کے مقام میں پہنچ گیا ہوں۔

اب میں معرفت کے شراب خانہ میں نماز ادا کرتا ہوں جس میں نہ کوئی سجود ہے اور نہ ہی قیام ہے۔

جب میں محبوب حقیقی کے راستہ پر ایک دو قدم چلا تو میں نے کفر اور ایمان کے حکم کو لپیٹ کر رکھ دیا۔ مرزا غالب نے اس تخیل کو یوں بیان کیا ہے۔

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

اے میرے پیارے! مجھے ایسی شراب دے جو اپنی پختگی کی آتشیں تاثیر سے ہر مست اور ہر خام کے اعمال کو جلا ڈالے۔ وہ ایسی شراب ہو جس کے عکس سے جبرائیل علیہ السلام بھی اپنے آپ میں نہ رہے اور عرش بھی اپنی گردش سے رک جائے۔

اگر لوگ میرا نام گمراہ اور زندیق بھی رکھ دیں تو تب بھی میں محبوب حقیقی کے عشق میں مست اور دیوانہ ہو چکا ہوں اور مجھے کسی بھی نام کی (خواہ وہ اچھا ہو یا برا ہو) کوئی پروا نہیں ہے۔

میری ہمت کا ہما عرش کی بلندیوں پر رہتا ہے اس لئے وہ کبھی کسی پھندے میں پھنس نہیں سکتا۔ بقول شاعر

برو ایں دام بر مرغے دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

اے محبوب جس طرح تیری طرح ہمیں کوئی اور آقا نہیں مل سکتا اسی طرح تجھے بھی ہم جیسا وفادار غلام نہیں ملے گا۔

اے شرف! تیرے شعر میں رندی اور پستی پائی جاتی ہے اسی لئے کوئی اور شاعر تیری طرح کا کلام پیش نہیں کر سکتا۔

غزل(85)

گر عشق نبودے و غم عشق نبودے
چندیں سخنِ نغز کہ گفتے کہ شنودے
گر عشق نبودے بخدا کس نرسیدے
حسن ازلی پردہ ز رخ بر نہ کشودے
معشوق ربودے دل و جاں ازتن عشاق
گر پردہ برافگندے و رخسار نمودے
گر باد نبودے سر زلفش کہ ربودے
رخسارۂ معشوق بعاشق کہ نمودے
گرساقیٔ وحدت ، درمیخانہ کشودے
در دہر یکے عاقل ،و ہشیار نہ بودے
من مست و خراباتی نمازے کہ گزارم
دروے نہ قیامے نہ رکوعے نہ سجودے
گر الفت توحید نباشد بدل تو
حق را نہ شناسی ز قیامے وقعودے
اے آنکہ عدم شکل وجود از تو پذیرد
غیر از تو نیآید بہ نظر ہیچ وجودے
اے بوعلی ایں ہردوجہاں پاک بسوزی
کہ آں دم کہ برآری ز دل سوختہ دودے



(85)

اگر عشق نہ ہوتا اور غم عشق نہ ہوتا تو ایسی عمدہ اور مزیدار باتیں کون کہتا اور کون سنتا؟ اگر عشق نہ ہوتا تو نہ خدا تک کسی کی رسائی ہوتی اور نہ ہی حسن ازلی اپنے چہرہ سے پردہ اٹھاتا۔ اگر محبوب حقیقی اپنے مکھڑے سے پردہ الٹ دیتا اور اپنے رخسار دکھا دیتا تو عاشقوں کے تن بدن سے دل و جان کو نکال کر لے جاتا۔ اگر ہوا نہ ہوتی تو اسکی زلفوں کو کون ہٹاتا؟ اور معشوق کا رخسار عاشقوں کو کون دکھاتا؟ یعنی یہ ہوا کی مہربانی ہے جو محبوب کی زلفوں کو ادھر ادھر کرتی ہے اور عاشق اپنے محبوب کے رخسار کو دیکھ لیتے ہیں۔

اور اگر وحدت کا ساقی یعنی محبوب حقیقی معرفت کے میخانے کا دروازہ کھول دیتا تو زمانے میں ایک بھی عاقل اور ہشیار نہ ہوتا بلکہ سب دیوانے اور مست ہو جاتے۔

میں ایک مست اور شرابی ہوں۔ میں ایسی نماز ادا کرتا ہوں جس میں نہ کوئی قیام ہے نہ کوئی رکوع ہے اور نہ کوئی سجود ہے۔ اس شعر میں شہود کی کیفیت بیان کی گئی ہے جس کی تشریح الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔ اگر تمہارے دل میں توحید کی الفت نہیں ہوگی تو تم صرف قیام اور قعود سے حق کو نہیں پہچان سکو گے۔ اے وہ ذات! کہ تیری وجہ سے عدم بھی وجود کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ میری نظروں میں تیرے وجود کے بغیر اور کوئی وجود نظر نہیں آتا۔ اے ابوعلی! اگر تم اپنے جلے ہوئے دل سے آہ بھرو گے تو دونوں جہان یکسر جل جائیں گے۔

غزل(86)

بری جاں بے گناہاں را نشاید ایں سرافرازی
ترا خود سہل مے آید بجان عاشقاں بازی

بسے پنہاں نمود ستم غم عشق تو از ہر کس
دمے گفتم بباد صبح آں ہم کرد غمازی

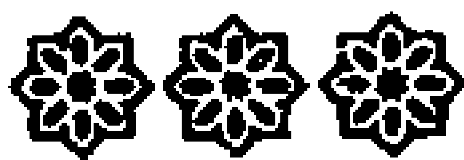
بسے سرہائے مشتاقاں کہ گردد گوئے چوگانش
بزلف ہمچو چوگانش اگر او می کند بازی

غزاہا می کند باما دو چشم کافر مستش
نفیرامست اے مسلماناں زدست کافر غازی

خیالت را شبے دیدم وزاں مدہوش و حیرانم
خوشا روزے کہ بایارے کنی یاری و دمسازی

بزلفش ہمسری کردن نیارد سنبل پیچاں
بروئش می تواند کرد کئے خورشید انبازی

شرف زنہار نکشاید معمائے حقیقت را
چہ عقل بوعلی سینا چہ علم فخر دیں رازی؟



(86)

آپ ہم بے گناہ مسکینوں کی جان لیتے ہیں حالانکہ آپ شہنشاہ ہیں اور یہ صورتحال آپ کے شایان شان نہیں ہے۔ ہم عاشقوں کی جان سے کھیلنا آپ کو بہت آسان اور سہل معلوم ہوتا ہے۔ میں نے تیرے غم عشق کو ہر ایک سے بہت پوشیدہ رکھا تھا صرف ایک دفعہ صبح کی ہوا سے اپنا غم عشق ظاہر کر بیٹھا اور اس نے غمازی کر کے یہ راز آگے دوسروں کو بتا دیا۔ نظیری نیشاپوری نے اس تخیل کو اپنے انداز میں یوں بیان کیا ہے۔

ے در حیرتم کہ غنچہ با بلبل چگونہ گفت
رازے کہ بادہم نہ شنیداز زبان ما

یعنی مجھے اس بات سے بڑی حیرانی لاحق ہوئی ہے کہ جس راز کو ہماری زبان سے ہوا نے بھی نہیں سنا تھا۔ وہ راز غنچہ نے بلبل کو کیسے بتا دیا؟

جب وہ اپنی چوگان جیسی لمبی زلفوں کے ساتھ چوگان بازی کھیلتا ہے تو عاشقوں کے بہت سے سر اس کی چوگان کیلئے گیند بن جاتے ہیں۔

اسکی دونوں کافر اور نشیلی آنکھیں ہمارے ساتھ جنگ کر رہی ہیں اے مسلمانو! ان کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کرو۔ میں اپنی مدد کیلئے سب کو صلائے عام دے رہا ہوں۔

میں نے رات کو تجھے خواب میں دیکھا جس سے میں مدہوش اور حیران ہو گیا۔ وہ کیا اچھا دن ہو گا جب ہمارے اس خواب کی تعبیر نکلے گی اور تم سچ مچ ہمارے یار اور دمساز بن جاؤ گے۔

سنبل الطیب یعنی بالچھڑ میرے محبوب کی زلفوں سے ہمسری نہیں کر سکتی اسی طرح سورج بھی حسن و جمال میں اس کے چہرے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اے شرف! حقیقت کے معمے کو حل نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں بو علی سینا کی عقل اور امام فخر الدین رازی کا علم کام نہیں دیتا۔

غزل(87)

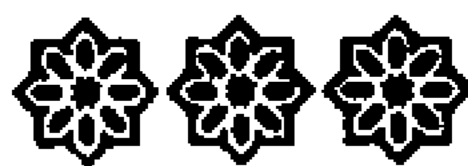
چناں رخ کاں پسردارد ندارد ہیچ روحانی
بچالاکیٔ او نبود کسے از انسی وَ جانی

تو بودی معنی آدم اگر دیدے عزازیلت
ز اول روز تا محشر نے برداشت پیشانی

خلیل ار صورتت دیدے معانی از تو بگزیدے
پدررا اندراں صنعت ہمیکردی ثناخوانی

جمالت گر زند پرتو بہ خاک آدم و حوا
دہد ہر ذرہ اش بیروں ہزاراں جسم روحانی

شرف درعشق روئے تو کلام از قدس آوردہ
نہ چوں نظم نظامی آں نہ چوں اشعار خاقانی



(87)

میرے محبوب کا چہرہ اتنا خوبصورت ہے کہ کسی روحانی مخلوق کا بھی ایسا خوبصورت چہرہ نہیں ہوگا۔ نہ ہی انسانوں اور جنات میں سے کوئی اس جیسا معشوق ہے۔

اس شعر میں پسر کا لفظ استعمال ہوا جو کہ حسن ازل کے ایک جلوہ سے استعارہ ہے۔

آدم کے اندر تیرا نور پوشیدہ تھا۔ اگر تیرے نور کو عزازیل (شیطان) دیکھ لیتا تو روز اول سے روز محشر تک اپنی پیشانی کو سجدہ سے نہ اٹھاتا۔ اگر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تیری صورت دیکھ لیتا تو تجھ سے معافی کا خواستگار ہوتا اور بت خانہ کی صنعت میں اپنے باپ آذر کی تحسین کرتا۔ اگر تیرا حسن و جمال حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہ السلام کی مٹی پر عکس ریز ہوتا تو خاک آدم کے ہر ذرہ ذرہ سے ہزاروں روحانی جسم نمودار ہو جاتے۔

شرف نے تیرے عشق میں عالم قدس سے شعر سنائے ہیں۔ یہ اشعار نہ تو نظامی گنجوی کے اشعار کی طرح ہیں اور نہ یہ ملک الشعراء خاقانی کے اشعار کی طرح ہیں۔ بلکہ میرے اشعار الہامی نوعیت کے ہیں۔ واضح رہے کہ نظامی گنجوی اور ملک الشعراء خاقانی فارسی زبان کے مایۂ ناز شعراء گزرے ہیں۔

غزل(88)

صد جاں بنازم درغمت ہرگز نیارم داوری
جاں خود باشد دربدن جائز تو جان دیگری

ہرگز نیاید درنشاں نور جمالش بے گماں
گہہ درخدائی شدعیاں گہہ دربتان آذری

من چوں جمالت بنگرم وہم خدائی کیے برم
گہ مومنم گہ کافرم واللہ زیں ہم برتری

عرش بریں ایوان تو، روح الامیں دربان تو
عالم برد فرمان تو تو جملہ عالم را سری

زیں چہرۂ زیبائے تو زیں قامت رعنائے تو
ہمچوں شرف شیدائے تو حوروملک، جن و پری



(88)

یارسول اللہ!صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ کے غم عشق میں اگر میری سینکڑوں جانیں بھی ہوں تو انہیں آپ پر قربان کردونگا اور پھر میں کوئی شکوہ یا شکایت بھی نہیں کرونگا۔ بدن کے اندر جان کو میں کوئی اہمیت نہیں دیتا کیونکہ میری اصلی جان تو آپ ﷺ ہی ہیں۔

اس کے حسن و جمال کا نور بے شبہ بے پردہ تو نظر نہیں آتا لیکن کبھی یہ نور تمام کائنات میں عیاں ہوتا ہے اور کبھی آذر کے بتوں میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ میں تیرے حسن و جمال کو کیونکر دیکھ سکتا ہوں؟ میں حسن کائنات کو اپنے وہم و گمان میں کیسے سمیٹ سکتا ہوں۔ خواہ میں مومن ہوں، خواہ کافر ہوں واللہ! آپ ﷺ کی ذات پاک بالاتر ہے۔ اس شعر میں آپ ﷺ کے حسن کو حسن کائنات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ عرش بریں آپ ﷺ کا محل سرا ہے اور جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے دربان ہیں تمام عالم آپ ﷺ کا فرمانبردار ہے اور آپ ﷺ تمام عالم کے سردار ہیں۔

آپ ﷺ کے اس خوبصورت چہرہ پر اور آپ ﷺ کے اس دلکش قد پر شرف کی طرح تمام حوریں، تمام فرشتے اور تمام جن و پری بھی عاشق اور دلدادہ ہیں۔

ضروری نکتہ

اسی زمین میں حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ نے بھی ایک شاندار اور خوبصورت نعت لکھی ہے جس کے کچھ اشعار اس طرح ہیں۔

اے چہرۂ زیبائے تو رشک بتان آذری
ہرچند و صفت می کنم درحسن زاں بالاتری
ہرگز نیاید درنظر نقشے ز رویت خوبتر
شمسے ندانم یا قمر حورے ندانم یا پری
آفاقہا گردیدہ ام، مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری
عالم ہمہ یغمائے تو، خلق خدا شیدائے تو
آں نرگس شہلائے تو آوردہ رسم کافری
تو از پری چابک تری وز برگ گل نازک تری
وز ہرچہ گویم بہتری حقا عجائب دلبری
من تو شدم، تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعدازیں من دیگرم تو دیگری
خسرو غریب است وگدا افتادہ درشہرشما
باشد کہ ازبہر خدا سوئے غریباں بنگری

صاحب ذوق حضرات کیلئے شاہ نصیر الدین روشن چراغ دہلوی کی مایۂ ناز غزل کتاب کے آخر میں پیش کی جاتی ہے۔ یہ غزل حضرت بوعلی قلندر رحمتہ اللہ علیہ کے کلام کو سمجھنے کیلئے چابی کی حیثیت رکھتی ہے۔

غزل

بے کارم و باکارم چوں مد بہ حساب اندر
گویا نم و خاموشم چوں خط بہ کتاب اندر
گہہ شادم وگہہ غمگیں ازحال خودم غافل
می گریم وی خندم چوں طفل بخواب اندر
دریا رود از چشم لب ترنشود ہرگز
ایں طرفہ تماشا بیں تشنہ است بآب اندر
ازمنطق و از حکمت جزعشق نفہمیدم
چنداں کہ نظر کردم شبہا بہ کتاب اندر
اے زاہد ظاہر بیں از قرب چہ می پرسی
او درمن ومن دروے چوں بوبگلاب اندر
درسینہ نصیرالدین جز عشق نمی گنجد
ایں طرفہ تماشابیں دریا بہ حباب اندر

تمت بالخیر

الٰهی قلبی محجوب ونفسی معیوب وهوالی غالب وعقلی مغلوب وطاعتی قلیل ومعصیتی کثیر ولسانی مقر بالذنوب فکیف حیلتی یاغفار یا غفار یا غفار برحمتک یا ارحم الراحمین

حکیم مطیع الرحمٰن قریشی نقشبندی
میانوالی

تقریظ

(از جناب منیر احمد قریشی نقشبندی گلزیب کالونی سمن آباد۔ لاہور)

اسے حسن اتفاق کہیں یا اپنی خوش بختی کی ساعت سعید کہ کسی انسان سے اچانک ملاقات، بساط دیدۂ و دل پر گہرے نقوش ثبت کر دیتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس شخصیت کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے بلکہ یوں کہئے کہ ان سے بہت گہرے مراسم رہے ہیں۔ اور پھر کارزار حیات کے طویل سفر میں دو محبت بھرے دل بچھڑ کر اپنی اپنی دنیاؤں میں کھو گئے۔ اور زمانے کی گردشوں نے پھر انہیں اچانک یکجا کر دیا۔ اس ملنے اور بچھڑنے کے طویل دورانیہ میں ربط و تعلق کی کیفیت کچھ ایسی ہو جاتی ہے۔

کبھی کبھی جو ترے قرب میں گزارے تھے
اب ان دنوں کا تصور بھی میرے پاس نہیں

اس ناچیز نے جناب محترم حکیم مطیع الرحمٰن قریشی نقشبندی کو جب دیکھا تو انسیت اور دلبری کی دبیز چادر نے میرے قلب و روح کو اپنے حصار میں لے لیا شاید بزرگان نقشبند کے فیضان محبت کا اثر تھا۔ یہ پہلی ملاقات میرے محترم بھائی ڈاکٹر نذیر احمد کے کلینک ٹی سٹریٹ میانوالی میں ہوئی۔ انہوں نے تعارف کروایا اور وہیں مجھے حکیم صاحب کی چند تصانیف دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ دل میں اشتیاق بڑھا۔ چنانچہ میں اگلے روز انکی رہائش گاہ بلکہ ان کے حکمت کدہ پر حاضر ہو گیا۔ کمال شفقت فرمائی اور اپنی کچھ کتب اس ناچیز کو عطا کیں۔ اگلے روز میں ان کتب کے مطالعہ میں مشغول تھا کہ جناب محترم قریشی صاحب تشریف لے آئے۔ دعا و سلام کے بعد ارشاد ہوا کہ یہ میری کتاب ''دیوان بوعلی شاہ قلندرؒ کی تشریح و ترجمہ'' کا مسودہ ہے۔ میں اسے زیور طبع سے آراستہ کرانے کیلئے بہت جلد لاہور جا رہا ہوں۔ آپ اسے پڑھیں اور اس پر تقریظ لکھیں۔ مجھ ناچیز کیلئے یہ حکم حیران اور پریشان کر دینے کیلئے کافی تھا۔ خیر انکی خواہش پر سر تسلیم خم کر دینے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے اس کتاب کو ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالا۔ جوں جوں میں قلندرؒ کی غزلیات کی تشریح کو پڑھتا جا رہا تھا میں اپنے ہوش و حواس کو گم ہوتے محسوس

کر رہا تھا۔ اس صاحب جلال قلندرؒ کی قلبی کیفیات و واردات اور روحانی پرواز پر مجھ جیسا ہیچ میرز اور تہی دست انسان کس طرح ہمسفر ہوسکتا ہے بہرحال میں ان کے کلام کو پڑھتا جا رہا تھا۔ قلندرؒ نے اپنے عشق و محبت کی ترنگ میں جن جن اشاروں، استعاروں اور رموز کا تاثر دیا ہے ان گتھیوں کو جناب حکیم مطیع الرحمٰن نقشبندی نے اپنی بصیرت اور علمی ''اپروچ'' کی بنا پر نہایت آسان پیرایہ میں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ نہایت مناسب اور موزوں اشعار کی بندش نے ترجمہ اور تشریح کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ چنانچہ مجھ جیسا علمی لحاظ سے کم مایہ انسان بھی قلندرؒ صاحب کی قلندرانہ اور رندانہ اداؤں کو کچھ کچھ سمجھنے کی حد تک روحانی لذت محسوس کر لیتا ہے۔

درحقیقت دیوان بوعلی شاہ قلندرؒ ظاہری اور باطنی علوم کا خزانہ ہے بقول عارف

؎ علم ظاہر ہمچوں شیرد علم باطن ہمچوں مسک
ہرکہ او شیرے ندارد مسک کئے آید بدست

(یعنی ظاہری علم دودھ کی مانند ہے اور باطنی علم مکھن کی طرح ہے مگر جس شخص کے پاس دودھ ہی نہ ہو وہ کیسے مکھن کو حاصل کر سکتا ہے؟)

مجھے امید ہے کہ قارئین کرام اس کتاب کو پڑھ کر دودھ اور مکھن دونوں سے بہرہ ور اور لطف اندوز ہوں گے اور صمیم قلب سے میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جناب حکیم مطیع الرحمٰن قریشی نقشبندی کو عمر خضر عطا فرمائے تاکہ وہ تادیر حکمت، حقیقت اور معرفت کی گتھیاں سلجھاتے رہیں تاکہ اہل درد حضرات حقیقت اور معرفت کی اداؤں کو مجاز کے پردے میں دیکھ کر اپنی روح کیلئے اصلی شربت روح افزا مہیا کرتے رہیں۔

حکیم مطیع الرحمٰن قریشی اپنی حیرت انگیز اور وسیع تر دوسری علمی تصانیف و تراجم کو قوم کے سامنے پیش کر کے دنیاوی ہوس زر یا تحسین و آفریں کی خواہش بھی نہیں رکھتے۔ وہ اپنی تصانیف کو اپنا ذاتی کمال نہیں سمجھتے بلکہ وہ اپنے تمام علمی کاموں کو اولیاء اللہ کی روحانی تاثیرات بفضل ایزدی بالخصوص آستانہ عالیہ نقشبندیہ زکوڑی شریف (ڈیرہ اسماعیل خان) آستانہ عالیہ نقشبندیہ جبل شریف (ضلع بھکر) اور آستانہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ فتحیہ بھور شریف (عیسیٰ خیل) کے فیوضات باطنیہ اور برکات روحانیہ کا ایک کرشمہ قرار دیتے ہیں۔

قلندر صاحب کے دیوان کے ترجمہ اور شرح سے فارغ ہونے کے بعد حکیم مطیع الرحمٰن

قریشی صاحب اکثر ازراہ عجز و انکسار بہادر شاہ ظفرؔ آخری تاجدار مغلیہ کا یہ شعر وردِ زبان رکھتے ہیں۔

برم پیش او تحفہ ازکجا من
نہ در دیدہ اشکے نہ در سینہ آہے

الغرض دیوان بوعلی شاہ قلندرؒ کے ترجمہ و شرح کے مطالعہ سے فارغ ہوتے ہوئے مجھ ناچیز کی قلبی کیفیت اس رباعی میں ڈھل کر رہ گئی ہے۔

شرف پہ گفتگو کیا؟ لب کشائی وہم باطل ہے
گماں کے زور پر لاہوت بینی کار مشکل ہے
مطیع محترم کے حکم پر لبیک کہہ ڈالا!
منیر بے نوا کو بس یہی اک شرف حاصل ہے

خاکپائے غلامانِ آستان چورہ شریف
منیر احمد قریشی نقشبندی
گلزیب کالونی، سمن آباد لاہور
بروز منگل 21۔ مارچ 2000ء
(نزیل میانوالی)

خوشخبری

مشہور و معروف محدث و مفسر حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی" کا عظیم شاہکار

تفسیر مظہری

جس کا جدید اور مکمل اردو ترجمہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف نے اپنے نامور فضلاء سے اپنی نگرانی میں کروایا ہے۔

مشہور و معروف محدث و مفسر حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیر" کا عظیم شاہکار

تفسیر ابن کثیر

جس کا جدید اور مکمل اردو ترجمہ ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف نے اپنے نامور فضلاء علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری، علامہ محمد الطاف حسین الازہری سے اپنی نگرانی میں کروایا ہے۔

ان شاء اللہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

جلد اس علمی کارنامے کو منصہ شہود پر لانے کا شرف حاصل کرے گا۔

صاحبانِ ذوق و محبت اور اربابِ فکر و نظر

مژدۂ جانفزا

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر

حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کے

بہار آفریں قلم سے نکلا ہوا لازوال شاہکار

درد و سوز اور تحقیق و آگہی سے معمور تصنیف

ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مکمل سیٹ سات جلدیں

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور، کراچی۔ پاکستان

صاحبانِ ذوق و محبّت اور اربابِ فکر و نظر

مژدۂ جانفزا

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر

حضرت ضیاء الامّت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کے

بہار آفریں قلم سے نکلا ہوا لازوال شاہکار

درد و سوز اور تحقیق و آگہی سے معمور تصنیف

ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مکمل سیٹ سات جلدیں

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

265